بدر ہفت روزہ قادیان

ایڈیٹر:- برکات احمد راجیکی

اسسٹنٹ ایڈیٹر:- محمد حفیظ بقاپوری

چندہ سالانہ

تواریخ اشاعت:- ۷ - ۱۴ - ۲۱ - ۲۸

جلد ۱ | ۲۱ ماہ احسان ۱۳۳۱ ہش مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ - ۲۱ جون ۱۹۵۲ء | نمبر ۱۵

جماعت احمدیہ کا نیا مرکز ... ربوہ

از مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب معاون ناظر بیت المال ربوہ

ربوہ کی ابتدائی تاریخ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ آپ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام لائے تھے اور جسے دنیا نے بھلا دیا تھا اسے پھر اکناف عالم میں پھیلائیں حضور کے وصال کے بعد بھی جماعت احمدیہ کے مرکز قادیان سے یہ کام جاری تھا کہ خدائی نوشتوں کے ماتحت ہمیں ہجرت کرنا پڑی۔ پاکستان پہنچتے ہی سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ اس کام کو جاری رکھنے کی فکر پیدا ہوئی اور حضور نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس عظیم الشان کام کو جاری رکھنے کیلئے ہمیں پاکستان میں ایک نئے مرکز کی ضرورت ہے جس میں کہ ہم اس کام کو سرانجام دے سکیں جہاں صحیح اسلامی تعلیم کے ماتحت مبلغین اسلام تیار کئے جائیں۔ جن کو دنیا کے کونے کونے میں بھیج دیا جائے اور بیرونی ممالک سے جو نومسلمین دینی تعلیم کی غرض سے اس ملک میں آئیں۔ مرکز سلسلہ میں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے تا وہ صحیح اسلامی ماحول میں رہ کر حقیقی اسلام سے واقف ہوں۔ اس غرض سے ایک خطہ زمین کی ضرورت تھی۔ بڑی تلاش کے بعد چناب کے پار لائلپور اور سرگودھا کے عین وسط میں یعنی ہر دو شہروں سے اٹھائیس اٹھائیس میل کے فاصلہ پر ۱۰۳۴ ایکڑ زمین کا ایک غیر آباد بنجر قطعہ جو صدیوں سے بیکار پڑا تھا جسے حکومت بھی آبادی اور زراعت کے ناقابل قرار دے چکی تھی دیکھا گیا۔ یہ قطعہ زمین قریباً ۲½ میل کی لمبائی میں ہے جس پر جابجا خشک پہاڑی ٹیلے ہیں۔ لائلپور سے سرگودھا جانیوالی ریل اور موٹر کی سڑکیں اس زمین میں سے گذرتی ہیں۔ درخت اور جھاڑی کا تو کیا ذکر یہاں کبھی گھاس بھی پیدا نہ ہوئی تھی اور پانی کا تو یہ حال تھا کہ یہاں کے معززین سے راقم الحروف نے خود سنا ہے کہ یہاں ایک کروڑپتی ہندو بہادر چند نامی نے کوشش کی کہ اس بیکار زمین میں اگر پانی کا انتظام ہو جائے تو اسے قابل زراعت بنا کر زندہ اٹھایا جائے۔ اس کام پر اس نے ہزارہا روپیہ خرچ کیا لیکن کامیابی کی کوئی کرن نظر نہ آئی آخر اس صدمہ کی وجہ سے اسکے دل کی حرکت بند ہو گئی اور وہ مر گیا۔

الغرض یہ زمین کسی لحاظ سے آبادی کیلئے موزوں نظر نہ آتی تھی۔ تاہم چونکہ مرکز کا جلدی بننا ضروری تھا اسلئے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر صدر انجمن احمدیہ نے حکومت سے یہ زمین خرید لی یعنی اکابرین پنجاب نے جس نرخ پر اس وقت زمین خریدی تھی جبکہ تھل کا منصوبہ تیار ہو چکا تھا اس سے کئی گنا زیادہ قیمت جماعت احمدیہ کو اس بے آب و گیاہ خطہ کو خریدنے کے لئے دینا پڑی۔

ربوہ کا افتتاح

زمین کی خرید کے بعد ۱۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعود ایدہ الودود نے اس بننے والے شہر کا نام "ربوہ" (RABWAH) تجویز فرماتے ہوئے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کو حکم دیا کہ کارکنان کی ایک پارٹی وہاں مستقل رہائش کیلئے بھجوا دی جائے۔ جو آہستہ آہستہ تمام دفاتر جو لاہور میں تھے جلد وہاں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔ حضور نے یہ بھی ارشاد فرمایا ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء بروز دوشنبہ حضور خود اس مقام پر تشریف لیجا کر دعا فرمائینگے تاکہ ایک طرح سے اس مرکز کا افتتاح دعاؤں کیساتھ کر دیا جائے۔ صدر انجمن احمدیہ کے ۲۶ کارکنان کا ایک قافلہ تیار کیا گیا۔ خاکسار راقم الحروف بھی اس قافلہ کا ایک فرد تھا۔ خاکسار کو دوران سفر میں اس کا انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ مکرم مولوی تاج دین صاحب قاضی سلسلہ مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب صاحب صدر انجمن احمدیہ، صوفی محمد رفیق صاحب واقف زندگی۔ چوہدری عبدالرحیم صاحب ہیڈ کلرک وکالت مال اور دوسرے دوست اس قافلہ میں تھے۔ باقی قافلہ کی مکمل فہرست انشاء اللہ علیحدہ شائع کر دی جائے گی۔ دعاؤں کے بعد ہم ۱۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو پانچ بجے شام کرائے کی بس کی ایک گاڑی پر روانہ ہوئے۔ شیخوپورہ کی سڑک برسات کی وجہ سے خراب ہو چکی تھی اس لئے لائلپور کے راستہ سے ہم رات کے گیارہ بجے چنیوٹ پہنچے رات سڑک پر گذاری اور صبح ایک چھکڑے [illegible] تانگہ میں بیٹھ کر ساڑھے آٹھ بجے اس خطہ زمین پر پہنچے جسے بہت جلد بڑا اعزاز حاصل ہونیوالا تھا۔

یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ہمارے قافلہ کے روانہ ہونے سے چند گھنٹے قبل مکرم عبدالسلام صاحب اختر ایم۔ اے انسپکٹر، مولوی محمد صدیق صاحب خیمہ جات و سائبان لے کر روانہ ہو چکے تھے اور وہ مدت کوہی وہاں ہم سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ تو ہم سب نے مل کر سائبان لگائے۔ جہاں حضور نے آکر نماز پڑھانی تھی کچھ خیمے بھی رہائش کے لئے نصب کئے گئے۔

حضور ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو صبح لاہور سے روانہ ہو کر ایک بجکر ۲۰ منٹ پر ربوہ تشریف لائے۔ حضور کے ہمراہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے اور بعض دوسرے بزرگان سلسلہ بھی لاہور سے آئے تھے۔ قریب کی جماعتوں سرگودھا۔ لائلپور۔ چنیوٹ۔ احمد نگر کو بھی قبل از وقت حضور کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی چنانچہ حضور نے پہلے دستور [illegible] اور ایک تکبیر [illegible] شروع ہوئی۔ [illegible] نماز میں ۲۵۰ کے قریب احباب شریک ہوئے چند ایک احمدی مستورات بھی پہنچی ہوئی تھیں ان کے لئے بھی پردہ کا انتظام کر دیا گیا۔ نماز کے بعد حاضرین کی فہرست تیار کی گئی۔ پھر حضور نے [illegible] ایک لمبی اور پر موثر تقریر فرمائی تمام حاضرین چشم پر آب دعاؤں میں مشغول تھے۔ یہ تقریر مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر نے جو حضور کے ساتھ لاہور سے تشریف لائے تھے قلمبند کی تھی تقریر کے بعد حضور نے لمبی تقریر فرمائی پھر برکت کے خیال سے پانچ بکرے ذبح کئے گئے۔ چار بکرے چار کونوں میں اور ایک وسط میں جو حضور نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ اس قربانی کے بعد حضور نے عصر کی نماز پڑھائی۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور حضور واپس تشریف لے گئے۔ عصر کے وقت دوستوں کی تعداد ۵۰۰ کے قریب پہنچ گئی تھی۔

یہ چند سطور بطور تعارف میں نے اس لئے درج کر دی ہیں تاکہ ہندوستان کے احباب جنہوں نے یہ نظارہ نہیں دیکھا یا ابتک ربوہ نہیں آسکے ان کے ذہن میں ربوہ کی ابتدائی تاریخ کا نقشہ آجائے ورنہ ہمارے سلسلہ کے اہل قلم بزرگ جب ربوہ کی تاریخ لکھینگے تو اس میں تمام حالات تفصیل سے آہی جائینگے۔

ربوہ کی موجودہ کیفیت

ربوہ کی موجودہ حالت کیا ہے یہ سوال بعض قادیان کے درویش بھائیوں میں سے کئی ایک اپنے خطوط میں لکھتے رہتے ہیں۔ میں بھی ان کو جواب دیتا رہتا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کا یہ مرکز اس سرعت سے ترقی کر رہا ہے کہ آج جو حالت ہے وہ [illegible] نوٹ کے شائع ہونے تک اس میں بہت کچھ زیادتی ہو چکی ہو گی۔ تاہم موجودہ حالات مختصراً درج ہیں جن سے امید ہے کہ دوستوں کی دلچسپی اور ازدیاد ایمان کا باعث بنینگے اور احباب کی [illegible] اور قادیان مرکز کے ساتھ وابستگی کا [illegible] ہو گئے۔

(باقی)

بھائی عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر دار المسیح قادیان سے شائع کیا۔

رمضان المبارک

رمضان المبارک گنج برائیوں اور برکات سماویہ کا جاذب مہینہ اپنی دو منزلیں طے کر کے آج تیسری یا آخری منزل میں داخل ہوا ہے۔ یہ وہ ایام پاک ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں کے خزانوں کے منہ کھول دیتا ہے اور ہر مومن اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان رحمتوں سے حصہ پاتا اور مستفید ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہم درویشانِ قادیان کو زمانہ درویشی میں پانچویں بار رمضان کی یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ سوائے چند معذوروں یا معذوروں کے باقی تمام درویش باوجود انتہائی گرمی کے روزے رکھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور جماعت کی ترقی کے لئے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اور دیگر تمام افرادِ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے اور دوسرے متعلقین کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔

قرآن کریم کا درس باقاعدہ مسجد اقصیٰ میں ظہر تا عصر ہوتا ہے۔ اکیس پارے ختم ہو چکے ہیں۔ پہلا عشرہ مکرم مولوی عبدالقادر صاحب فاضل نے اور دوسرا عشرہ مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیانی نے درس دیا۔ اور ۲۰ رمضان سے مکرم مولوی محمد حفیظ صاحب فاضل درس دے رہے ہیں۔

نماز تراویح کا انتظام مسجد مبارک میں تہجد کے وقت (جہاں حافظ الٰہ دین صاحب قرآن کریم سناتے ہیں) مسجد اقصیٰ میں بعد نماز عشاء (جہاں حافظ جمیل احمد صاحب قرآن کریم سناتے ہیں) اور مسجد محلہ ناصر آباد میں (جہاں قریشی فضل حق صاحب نماز تراویح پڑھاتے ہیں) کیا گیا ہے۔

اس بار مسجد مبارک میں سات اور مسجد اقصیٰ میں چودہ معتکفین ہیں جن کے اسماء درج ذیل ہیں:۔

مسجد مبارک

۱۔ حضرت حاجی محمد الدین صاحب تہالوی
۲۔ دفعدار محمد عبداللہ صاحب۔
۳۔ مولوی برکت علی صاحب
۴۔ چوہدری محمد صادق صاحب ٹائپسٹ۔
۵۔ یونس احمد صاحب اسلم
۶۔ طیب علی صاحب بنگالی
۷۔ چوہدری نبی احمد صاحب چیمہ۔

مسجد اقصیٰ

۱۔ حضرت ڈاکٹر شیر محمد صاحب۔ ۲۔ بابا جان محمد صاحب۔ ۳۔ چوہدری سعید احمد صاحب۔ ۴۔ شیر احمد خاں صاحب۔ ۵۔ بشیر احمد صاحب جٹ۔ ۶۔ احمد حسین صاحب۔ ۷۔ عبدالواحد صاحب انگریز۔ ۸۔ بشیر احمد صاحب سندھی۔ ۹۔ عمر علی صاحب بنگالی۔ ۱۰۔ ڈاکٹر عطر الدین صاحب۔ ۱۱۔ بابا سلطان احمد صاحب۔ ۱۲۔ بابا خدا بخش صاحب۔ ۱۳۔ بابا فضل محمد صاحب۔ ۱۴۔ عبدالغفور صاحب۔

اجتماعی دعا درس کے خاتمہ پر ۲۹ رمضان المبارک کو شام کے ٹھیک ۶½ بجے شام مسجد اقصیٰ میں ہوگی جو سات بجے تک جاری رہے گی۔ احباب کرام سے درخواست ہے کہ وہ اپنی جماعتوں میں وقت مذکورہ پر اجتماعی دعا کا بندوبست کر کے قادیان کی دعاؤں میں شامل ہوں۔ اور اس موقعہ پر خاص طور پر سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے۔ جماعت کی ترقی کے لئے اور دشمنوں کے تمام تخریبی منصوبوں کے تہس نہس ہونے کے لئے دعائیں کی جائیں۔

ناظر تعلیم و تربیت قادیان ۵۲/۱۵

کوچۂ جاناں

از جناب گورپرشاد صاحب شاد کلانوری

مرحبا اے عشقِ مرشد مرحبا
تجھ سے دنیا دار بھی درویش ہیں
دنیوی الفت نظر انداز ہے!
مال کیا ہے؟ جان و دل قربان ہے
گو کہ وہ مینار پر گھڑیاں نہیں
ظاہر و باطن میں سب یک رنگ ہیں
لنگیاں سر پہ ہوں یا ہوں ٹوپیاں
کیسے متحمل ہیں، کیسے مرد ہیں!
کیا نگاہ قبضہ میں ہے قابو میں دل
دل نہیں کھوٹا۔ نگاہ کھوٹی نہیں
جوش اُبھرنے کا بھی وہ کس قدر ہے
روز و شب پڑتی رہے سینے پہ زد

زندہ ہے دم سے ترے نامِ وفا
دور ہیں آنکھوں سے جو بھی خویش ہیں
خانۂ دل میں وہ سوز و ساز ہے
اِک درِ مرشد ہے کیا؟ ایمان ہے
کون کہتا ہے کہ وہ گھڑیاں نہیں
اِن کی بے خوفی پہ سارے دنگ ہیں
سب کہیں! وہ جانِ نشانِ قادیاں
اہلِ دل ہیں اور سراپا درد ہیں!
اُن کو دیکھے گا نہ کوئی مضمحل!
ہاتھ میں ہتھیار کیا؟ سوئی نہیں
گو شبِ اوّل ہے لیکن یاد رہے
لمتدد اے عشقِ مرشد۔ المدد

زندگی اُس کی جہاں میں شاد ہے
کوچۂ دلبر میں جو آباد ہے

چھتیس ۳۶ سال قادیان میں!

از مکرم خواجہ غلام نبی صاحب سابق ایڈیٹر الفضل حال گھاریاں

(۱)

میں نے اپنے وطن جلالپور جٹاں ضلع گجرات میں مڈل ۱۹۰۹ء میں پاس کیا۔ ذہن اچھا اور مزید تعلیم پانے کا شوق تھا۔ لیکن قریب قریب کوئی ہائی سکول نہ تھا۔ نیز بچپن میں ہی والد ماجد فوت ہو چکے تھے اس لئے پڑھائی جاری رکھنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ ہمارے گاؤں کے محترم مرزا محمد اشرف صاحب اس وقت قادیان میں کام کرتے تھے ان کے ساتھ قادیان جا کر پڑھنے کی تجویز ہوئی اور میں جون ۱۹۱۰ء میں وہاں پہنچ کر سکول میں داخل ہو گیا۔ جناب مرزا صاحب نے کوشش کی کہ قرضِ حسنہ کے طور پر کچھ وظیفہ مل جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اور میں مجبوراً سکول چھوڑ کر پرائیویٹ تعلیم پانے کی کوشش کرنے لگا۔ انہی دنوں کا ایک عجیب واقعہ میرے لئے ساری عمر جرأت کا موجب رہا۔

بات یہ ہوئی کہ میں اس گلی میں سے جو مسجد اقصیٰ سے احمدیہ چوک کو آتی ہے منڈی والی طرف کوئی سودا خریدنے کے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت ہر قسم کے سودا سلف کے لئے صرف وہی بازار تھا۔ مغرب کے قریب وقت تھا۔ جب میں اس دو منزلہ بڑی عمارت کے پاس پہنچا جو اس وقت ایک ہندو کی تھی لیکن جو صداقتِ ثانیہ کے وقت صدر انجمن احمدیہ نے خرید کر اس میں اپنے کارکنوں کے دفاتر بنا لئے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ مسجد اقصیٰ میں قرآن کریم کا درس دے کر حسب معمول خدام کے جھگٹے میں گھرے ہوئے ہاتھ میں عصا لئے اور دوسرا ہاتھ کسی خوش قسمت کے کندھے پر رکھے آہستہ آہستہ چلتے اور گفتگو فرماتے تشریف لا رہے تھے۔ میں نے ایک طرف پہلو سے ہو کر نکل جانے کی کوشش کی۔ کہ آپ کی نظر کرم مجھ پر پڑ گئی۔ آپ میری طرف بڑھے۔ اور قریب پہنچ کر اپنے دستِ مبارک میں میرا چہرہ لے لیا اور نہایت شفقت اور محبت سے فرمایا۔

"مجھ پڑھتے ہو؟" اس وقت اپنی عمر۔ اپنی حالت اور اپنی درماندگی کے باعث مجھے سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ اور میں صرف اتنا عرض کر سکا۔ "جی"۔ اس پر حضور نے فرمایا "ضرور پڑھا کرو"۔ اور آگے بڑھ گئے۔ مگر میں مبہوت سا ہو کر کچھ دیر اس جگہ کھڑا رہ گیا حتیٰ کہ آپ مجمع سمیت حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے مکان کے موڑ سے گذر گئے۔

اس وقت سے قبل مجھے کبھی آپ کو اتنے قریب سے دیکھنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ کجا یہ کہ کوئی بات کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہو۔ میں نیا نیا قادیان گیا تھا۔ عمر کے لحاظ سے ابھی بمشکل مسیں بھی نہ بھیگی تھیں۔ دیہاتی لباس تہبند اور کھلی آستینوں کا کرتہ پہنتا۔ پگڑی سر پر ضرور رکھتا کہ بچپن سے اس کا عادی تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے دربار عام میں کسی وقت جاتا ضرور تھا۔ مگر یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ حضور ادنےٰ سے ادنےٰ لوگوں اور بچوں تک سے نہایت توجہ اور التفات سے گفتگو فرماتے اور بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں جرأت نہ ہوتی کہ میں بھی کچھ عرض کروں۔ کوئی ایسا وسیلہ نہ تھا جو حضور کے سامنے پیش کر دیتا۔ ان حالات میں حضور نے پہلے کبھی میری شکل تک نہ دیکھی تھی باوجود اس کے مجھ پر جو شفقت فرمائی۔ اس کا اندازہ کرنے سے میں ساری عمر ہی قاصر رہا۔ مگر افسوس کہ اس کا کچھ بھی اثر اس شخص پر نہ ہوا جو اس وقت سلسلہ کے اموال اور تمام کاروبار پر حاوی بنا ہوا تھا اور اس وقت بھی حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا یعنی مولوی محمد علی صاحب۔ باوجود کئی بار کی جدوجہد کے انہوں نے مجھے قرضِ حسنہ نہ لینے دیا۔ لیکن خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے قادیان میں دینی اور دنیوی لحاظ سے مجھے وہ کچھ عطا فرمایا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ (باقی)

کالم نمبر ۳ پر ملاحظہ ہو

خطبہ جمعہ

دُنیا کے نشیب و فراز انسان کیلئے قدرت کے اشارے ہیں کہ بڑھتے اور ترقی کرتے چلے جاؤ

آج دُنیا کے پردے پر صرف جماعت احمدیہ ہی ہے جسے خدا نے اپنے عرش سے یہ کہا! اُٹھ! اور میں تجھے اُٹھاؤں گا!

از سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۹ مئی ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ

مرتبہ:۔ مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل

تشہد اور تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے حسب ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت کی

ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنھار لاٰیات لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار۔ (اٰل عمران $\frac{۲۰}{۱۱}$)

اس کے بعد فرمایا:۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے

سب سے بڑی دولت

غور و فکر کی عطا فرمائی ہے اور یہی وہ دولت ہے جو کہ انسان کو دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ انسان کی تعریف منطقیوں نے حیوانِ ناطق کے الفاظ میں کی ہے۔ جب منطق کی ابتداء ہوئی تو پہلے پہل لوگوں نے یہ سمجھا کہ انسان اور دوسرے جانوروں میں یہ فرق ہے کہ انسان بولتا ہے اور دوسرے جانور نہیں بولتے۔ لیکن آہستہ آہستہ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ بعض جانور بھی انسانی زبان سیکھ لیتے ہیں۔ جیسے طوطے ہیں یا مینائیں وغیرہ ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ جانوروں کی چیں چیں بھی اپنے اندر کچھ معنے رکھتی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ چیونٹیاں جب چل رہی ہوتی ہیں اور وہ ایک دوسرے سے ملتی ہیں تو جو چیونٹی غلہ یا کوئی اور چیز دیکھ کر ایک جگہ سے آرہی ہوتی ہے وہ آنے والی چیونٹی سے ہاتھ ملاتی ہے اور وہ آنے والی چیونٹی سیدھی اس جگہ چلی جاتی ہے جہاں غلہ ہوتا ہے۔ اور اسے سنبھال لیتی ہے جب انہوں نے دیکھا کہ

شہد کی مکھیاں

جہاں پھولوں کا ذخیرہ ہوتا ہے وہاں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اور ایک دوسرے کی راہنمائی سے شہد کے مخازن کا پتہ لگا لیتی ہیں۔ جب انہوں نے اس قسم کے اشارات جانوروں میں دیکھے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ جہاں تک بولی کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے تو آدمیوں کی بولی میں بھی بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ کوئی انگریزی بول رہا ہے تو کوئی فرانسیسی بول رہا ہے۔ کوئی جرمنی بول رہا ہے کوئی نارویجین بول رہا ہے کوئی سویڈیشین بول رہا ہے کوئی فنش بول رہا ہے۔ کوئی رشین بول رہا ہے کوئی پولش بول رہا ہے کوئی عربی بول رہا ہے کوئی سواحلی بول رہا ہے۔ کوئی فینٹی بول رہا ہے کوئی پنجابی بول رہا ہے کوئی اردو بول رہا ہے کوئی بنگالی بول رہا ہے کوئی چینی بول رہا ہے کوئی ملائی بول رہا ہے۔ غرض الگ الگ قسم کی

سینکڑوں بولیاں

دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگوں کی اور بولی ہوتی ہے اور دوسروں کی اور مگر باوجود اس کے سب کو بولنے والا سمجھا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے حلق سے نکلنے والی بولی کو تو بولی کہا جائے اور پاؤں یا ہاتھ سے نکلنے والی بولی کو بولی نہ سمجھا جائے۔ آخر اپنے اپنے رنگ میں بندر بھی بولتے ہیں چڑیاں بھی بولتی ہیں اور ان کی آوازوں میں اشارے ہوتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان اشاروں کے بعد جانور ایک خاص رُخ اختیار کر لیتے ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان تو بولتا ہے مگر جانور نہیں بولتے۔ جب منطقیوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ

حیوان ناطق

کی یہ تشریح غلط کی گئی ہے۔ تب انہوں نے ناطق کے اور معنے کر دیئے اور کہا کہ ناطق کے معنے یہ ہیں کہ وہ فکر کر کے نئی ایجادات کرتا ہے اور ترقی کی طرف اس کا قدم بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پس حیوان ناطق کی آخری تشریح انہوں نے یہ کی کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو بولتا ہے وہ انسان ہے۔ کیونکہ بولتے جانور بھی ہیں چاہے ان کی بولیاں اور رنگ کی ہیں۔ بہرحال چڑیوں میں۔ طوطوں میں۔ کبوتروں میں۔ بلبلوں میں سب میں کوئی نہ کوئی بولی پائی جاتی ہے جو فرق ہے انسان میں اور اُن میں وہ یہ ہے کہ انسان فکر کر کے اپنے لئے

ترقی کا ایک نیا میدان

تجویز کر لیتا ہے اور وہ ہر فکر کے بعد پہلی سطح سے اونچا چلا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے جانوروں میں یہ بات نمایاں طور پر نہیں پائی جاتی۔ تھوڑی بہت ایجادیں ان میں بھی نظر آتی ہیں۔ جیسے اُود بلاؤ ہیں ان کے گھروں کی ساخت کو دیکھا جائے تو پہلے زمانوں کے لحاظ سے ان میں کسی قدر فرق پایا جاتا ہے۔ کسی حد تک ان میں طب بھی پائی جاتی ہے وہ زخمی ہوتے ہیں تو علاج کرتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابتدائے عالم سے یہ بات ان میں چلی آرہی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ

غور اور فکر

کے بعد انہوں نے کسی حد تک ارتقاء کی طرف اپنا قدم بڑھایا ہے ہم بچے تھے تو ہم نے ایک فاختہ ماری جب میں نے اسے اُٹھایا تو مجھے اس کے پیٹ پر کوئی سخت سی چیز معلوم ہوئی جب میں نے اُسے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ اس فاختہ کو کوئی زخم لگا تھا جس کو تنکے کی چھال کے ساتھ سیا گیا تھا۔ گویا جس طرح ڈاکٹر ایک گہرے زخم کو سیتا ہے۔ اسی طرح اس فاختہ یا اس کے کسی ساتھی نے اس زخم کو سیا تھا۔ اور وہ زخم اس وقت اچھا ہو چکا تھا صرف تنکا باقی تھا۔ تو جانوروں میں بھی ایک حد تک ترقی تو ہے مگر وہ اتنی محدود ہے کہ اس کی ترقی کے متعلق یہ اندازہ لگانا کہ وہ کس سرعت سے ہو رہی ہے یہ بھی مشکل ہے گویا جہاں جانوروں کے متعلق یہ پتہ لگانا سخت مشکل ہوتا ہے کہ انہوں نے ترقی کی ہے یا نہیں وہاں انسان کے متعلق یہ اندازہ لگانا سخت مشکل ہے کہ وہ کتنا ترقی کر چکا ہے اور اس کا پہلا قدم کتنا پیچھے رہ چکا ہے پس اصل چیز جو انسان کو دوسرے جانوروں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی

قوت فکر ہے

وہ غور کرتا ہے وہ کائنات عالم کے اسرار کے متعلق فکر کرتا ہے۔ وہ ان سے بعض نتائج اخذ کرتا ہے اور پھر نتائج کے استنباط کے نتیجہ میں وہ اپنے فکر کی سطح کو اپنے اخلاق کی سطح کو اور اپنے تعیش کی سطح کو اور اونچا کر دیتا ہے۔ پھر وہ اور زیادہ غور شروع کرتا ہے۔ پھر نئے زاویوں سے کائنات کے رازوں کی جستجو کرتا ہے پھر وہ اور زیادہ تحقیق اور تجسس سے کام لیتا ہے اور اس سطح کو اور زیادہ اونچا کر دیتا ہے۔ صرف نیک اور بد ہیں

مومن اور کافر

ہیں یہ امتیاز ہوتا ہے کہ ارتقائی قدم تو دونوں ہی اُٹھاتے ہیں۔ ترقی کی طرف تو دونوں ہی جا رہے ہوتے ہیں اور قوت فکریہ کے لحاظ سے دونوں مردہ بھی ہوتے ہیں اور زندہ بھی ہوتے ہیں۔ روحانی زندے

روحانی دنیا میں

اور جسمانی زندے جسمانی دنیا میں ترقی کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر ان کی ترقی دو مختلف رنگ اپنے اندر رکھتی ہے روحانی انسان جب اونچا جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس سے ملنے کے لئے نیچے اُتر آتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو ہمیشہ روحانی طور پر اونچائی اور بلندی سے نسبت دی جاتی ہے اور انسان کو نیچے کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ کیونکہ انسان زمینی ہے اور اللہ تعالےٰ سماوی ہے۔ یہ سب ایک تشبیہی زبان کے الفاظ ہیں۔ مگر ان کے بغیر ہمارا گذارا نہیں چلتا۔ اور ہم یہ الفاظ بولنے پر مجبور ہیں۔ بہرحال جس وقت روحانی انسان ترقی کرتا ہے سماوی طاقتیں یعنی خدا اور اس کے فرشتے نیچے کی طرف آنا شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ درمیان میں آکر خدا اور اس کے بندے کا آپس میں اتصال ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان الفاظ میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ

دنیٰ فتدلّٰی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ سے ملنے کے لئے اوپر گئے۔ اور خدا آپ سے ملنے کے لئے نیچے آیا۔ اور درمیان میں آکر خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے۔ مگر جو مادی لوگ ہوتے ہیں اُن کی ترقی کا رنگ اس سے اُلٹ ہوتا ہے۔ وہ جوں جوں اُونچے جاتے ہیں خدا تعالےٰ زیادہ اونچا ہوتا چلا جاتا ہے۔ روحانیت میں خدا تعالےٰ کا طریق دنیٰ فتدلّٰی والا ہے۔ جوں جوں روحانی انسان کائنات عالم کے اسرار معلوم

کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ
سے ملنے کے شوق میں اوپر کی طرف چڑھتا ہے خدا
تعالیٰ بھی اس سے ملنے کے شوق میں نیچے اترنا
شروع کر دیتا ہے۔ مگر مادی لوگ جوں جوں اونچے
ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس سے بھی زیادہ تیزی
سے اونچا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ دس فٹ
اونچے ہوتے ہیں۔ تو بجائے

خدا تعالیٰ کے قریب

ہونے کے خدا تعالیٰ ان سے سو فٹ اوپر
چلا جاتا ہے۔ فرض کرو خدا تعالیٰ ان سے ایک
ہزار فٹ کے فاصلہ پر ہے اور یہ لوگ دس فٹ
فاصلہ طے کر لیتے ہیں۔ تو بجائے اس کے کہ خدا
تعالیٰ اور ان کے درمیان نو سو نوے فٹ کا فاصلہ
رہ جائے۔ خدا تعالیٰ اور ان کے درمیان ایک
ہزار ایک سو فٹ کا فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ
ترقی دونوں کرتے ہیں۔ زندہ دونوں میں ہوتے
ہیں۔ اور مردہ بھی دونوں میں ہوتے ہیں۔ دینی
لحاظ سے بھی بعض لوگ زندہ ہوتے ہیں اور بعض
مردہ۔ اور مادی لحاظ سے بھی بعض مادی لوگ
زندہ ہوتے ہیں اور بعض مردہ۔

روحانیت میں مردہ

ہونے کی وجہ سے وہ اپنے عالم میں مُردوں کی
حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو۔ مسلمانوں میں
آجکل جتنے ذکر کرنے والے۔ زاویوں میں بیٹھ
عبادتیں کرنے والے اور قرآن کریم پڑھنے
والے لوگ ہیں وہ روحانیت سے یکسر خالی ہیں۔
اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ذکر الٰہی نہیں کرتے
وہ اب بھی ذکر کرتے ہیں وہ اب بھی مسجدوں میں
عبادتیں کرتے ہیں۔ وہ اب بھی زاویوں میں بیٹھ کر
اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں۔ مگر انہیں خدا نہیں ملا
پس روحانی لحاظ سے وہ مردہ ہیں۔ اسی طرح
دنیوی لحاظ سے افریقہ کے وحشی قبائل یا ایشیا
کے وہ ممالک جو تنزل میں گرے ہوئے ہیں۔ وہ بھی
دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر ایسے بے علم اور
غافل ہیں کہ

دنیوی ترقی

کے لحاظ سے وہ مردہ ہیں۔ اگر ہم یورپ کو دیکھیں
اگر ہم امریکہ کو دیکھیں اگر ہم اُن کی ترقی کو دیکھیں
اور اس کے مقابلہ میں ان لوگوں کو رکھیں۔ تو یہ
محض مردہ نظر آتے ہیں اس کی یہ وجہ نہیں کہ یہ
لوگ دنیا کمانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ وجہ
یہ ہے کہ دنیا کمانے کے لئے جس

غور اور فکر اور تدبیر

کی ضرورت ہے اس سے وہ کام نہیں لیتے اسی طرح
روحانی عالم کے مولویوں اور پنڈتوں کو دیکھیں
تو وہ محض مردہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے نہیں
کہ وہ دنیا میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر اس کے لئے
جس غور و فکر کی ضرورت تھی۔ کائنات عالم کے
جن اسرار کے معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ ارتقائی
میدانوں میں جس سرعت سے آگے بڑھنے کی ضرورت
تھی۔ اس وجہ سے وہ یکسر غافل اور لاپرواہ ہیں
اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان فی خلق السمٰوٰت والارض و
اختلاف الیل والنہار لآیٰت
لاولی الالباب الذین یذکرون
اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم
ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت
والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا
سبحانک فقنا عذاب النار۔

زمین و آسمان کی پیدائش اور لیل و نہار کا
اختلاف یعنی اس کا آگے پیچھے آنا یہاں
اختلاف سے مراد تفاوت نہیں بلکہ آگے
پیچھے آنا ہے۔ اس میں عقلمند لوگوں کے لئے بڑے
بڑے نشانات ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ یہ دنیا
ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی ہے۔
اور آسمان بنایا ہے۔ یعنی کچھ سماوی طاقتیں ہیں
اور کچھ ارضی طاقتیں ہیں۔ کچھ بلندیاں ہیں اور
کچھ نشیب ہیں۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر انسان
کو احساس ہوتا ہے کہ آخر یہ چیز کسی نہ کسی غرض
کے لئے بنائی گئی ہے یہ نشیب و فراز بتاتے ہیں
کہ کوئی ہمیں بلندی کا سبق دے رہا ہے۔ کوئی
ہمارے دلوں میں

قوت عملیہ کا شوق

پیدا کر رہا ہے۔ جیسے تم نے گھروں میں اپنے
چھوٹے بچوں کو یا بھائیوں کو اور بھتیجوں جیسے
بچوں کو دیکھا ہوگا۔ کہ جب کوئی بچہ چلنے لگتا ہے
تو ماں باپ یا بھائی وغیرہ روٹی کا کوئی ٹکڑا یا
پھل یا پھول اُسے دکھاتے ہیں کہ کھڑے ہو کر
ہم سے لے لو۔ بچہ اُسے دیکھتا ہے۔ اور وہ
کانپتے اور لڑکھڑاتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔
اس پر وہ اپنا ہاتھ ذرا پیچھے کر لیتے ہیں۔ تاکہ بچہ
ایک قدم آگے بڑھے اور اسے لینے کی کوشش
کرے۔ چنانچہ بڑی مشکل سے ایک قدم چلنے کی
کوشش کرتا ہے۔ بعض دفعہ وہ گر بھی پڑتا ہے
مگر پھر اٹھتا ہے اور ایک قدم چل کر روٹی کا ٹکڑا
یا پھل یا پھول لے لیتا ہے۔ اور وہ خوش ہوتا ہے
کہ میں نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ اس کے
چند گھنٹے بعد وہ پھر اُسے روٹی کا ٹکڑا دکھاتے
ہیں اور بچہ سمجھتا ہے کہ ایک قدم پر یہ ٹکڑا مجھے
مل جائے گا۔ مگر اب کی دفعہ ایک قدم پر اُسے
وہ چیز نہیں دی جاتی۔ بلکہ دو قدم اٹھانے پر اُسے
چیز دی جاتی ہے اسی طرح اُس کا حوصلہ

بڑھتا چلا جاتا ہے

اُس کی طاقت زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اور پھر
وہ رفتہ رفتہ اتنی طاقت پیدا کر لیتا ہے۔ کہ
سینکڑوں میل تک چلتا چلا جاتا ہے۔ مسلسل
نہیں بلکہ اگر اسے مہینہ دو مہینے یا سال بھر بھی
پیدل سفر کرنا پڑے تو وہ کر لیتا ہے۔ چنانچہ
کئی لوگ ایسے ہوئے ہیں۔ جن کی ساری عمر سفروں
میں ہی گذر گئی ہے۔ اور انہوں نے اپنی زندگی
میں بڑے بڑے سفر کئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک دوست
ہوا کرتے تھے وہ میرے استاد بھی تھے۔ انہیں
حساب میں بڑا ملکہ تھا۔ مگر ساتھ ہی اُن کے دماغ
میں بھی کچھ نقص تھا۔ اُنہیں یہ وہم ہو گیا تھا کہ
محمدی بیگم والی پیشگوئی اُن کے ذریعہ سے
پوری ہوئی ہے۔ اور اس وجہ سے وہ کئی ایسی
حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ جو تکلیف دہ ہوا کرتی
تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی عادت تھی۔ کہ بات کرتے وقت بعض دفعہ اپنی
ران پر ہاتھ مارتے تھے۔ حدیثوں میں بھی پیشگوئی
آتی تھی۔ کہ مسیح موعود فخذ پر ہاتھ مار کر بات
کرے گا۔ بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے جب کبھی مجلس میں بات کرتے
ہوئے ران کی طرف ہاتھ لانا۔ تو انہوں نے جھٹ
کود کر آگے آ جانا۔ لوگوں نے پوچھنا۔ آپ کو کیا ہوا۔
وہ کہتے تمہیں معلوم نہیں حضرت مسیح موعود علیہ
الصلوٰۃ والسلام نے درحقیقت مجھے اشارہ
کیا تھا۔ اس طرح مجلس میں بہت بدمزگی پیدا
ہو جاتی۔ ایک دفعہ تنگ آ کر حضرت مسیح موعود علیہ
الصلوٰۃ والسلام نے اُن سے کہہ دیا۔ کہ آپ
قادیان سے چلے جائیں۔ اُنہیں گو جنون تھا۔ مگر
بہر حال عشق والا جنون تھا۔ انہوں نے پہلے تو
اڑنا شروع کیا کہ میں نہیں جاتا۔ حضرت مسیح موعود
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت تھی کہ جب کوئی
تحریر لکھتے تو نیچے "خاکسار غلام احمد" لکھا کرتے
تھے۔ یہ رقعہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے میرے ذریعے ہی بھجوایا تھا۔
میں نے اُنہیں رقعہ دیا تو کہنے لگے۔ میں نہیں
جانتا مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضےٰ کون ہوتا
ہے۔ میں اس

حکم کی اطاعت

کے لئے تیار نہیں ہوں میں نے یہی بات حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جا کر کہہ
دی آپ نے قلم اٹھایا اور اپنے نام کے آگے
مسیح موعود لکھ دیا۔ میں پھر وہ رقعہ لایا۔ تو
دیکھ کر کہنے لگے اب تو بڑی مصیبت ہے اب
تو قادیان سے جانا ہی پڑے گا۔ چنانچہ وہ چل
پڑے اس وقت ظہر کا وقت تھا۔ ظہر کے وقت
وہ نکلے اور پیدل چل کر جالندھر گئے۔ جالندھر
سے ہوشیارپور گئے۔ ہوشیارپور جا کر پھر
قادیان واپس آئے۔ مگر قادیان کے قریب پہنچ
کر پھر گھبراہٹ میں امرتسر یا لاہور چلے گئے اور
تیسرے دن صبح ان سب مقامات کا چکر لگا کر قادیان
واپس آ گئے اور کہنے لگے آئندہ میں آپ کو تنگ
نہیں کروں گا مجھے معاف کیا جائے میں

قادیان سے باہر

نہیں رہ سکتا۔ غرض دو تین دن میں وہ قادیان
سے جالندھر گئے جالندھر سے ہوشیارپور گئے
ہوشیارپور سے واپس آ کر پھر امرتسر یا لاہور
گئے اور پھر واپس قادیان آ گئے گویا قریباً دو
تین سو میل کا سفر انہوں نے طے کر لیا۔ ان کی
انہی حرکتوں کی وجہ سے ایک دفعہ گورداسپور
کے مقدمہ میں جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ
السلام وہیں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرمایا
یہ روز مجھے دق کرتے ہیں ان کا کوئی انتظام
کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ دوست جو ساتھ تھے
انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے ان سے کہا کہ
قادیان سے ایک ضروری کتاب لانی ہے آپ
جائیں اور کتاب لے آئیں

گورداسپور سے قادیان

سولہ میل کے قریب ہے۔ عشاء کے وقت وہ
گئے اور رات کے بارہ بجے کتاب لے کر واپس
آ گئے لوگوں نے تو یہ تدبیر اس لئے کی تھی کہ کسی
طرح ان کو وہاں سے نکالیں مگر وہ راتوں رات
پھر واپس پہنچ گئے۔ اس پر دوست پھر آپس میں
مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے وہ ہنس
کر کہنے لگے مجھے پتہ ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے
کیوں بھجوایا تھا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب میں
کوئی شرارت نہیں کروں گا۔ غرض بتیس میل سفر
کے بعد وہ بارہ گھنٹے آرام کرتے ہوں بلکہ
جب بھی انہیں کسی اور کام کے لئے بھجوایا جاتا
فوراً تیار ہو جاتے تھے۔ تو دنیا میں بڑے بڑے
تیز چلنے والے بھی پائے جاتے ہیں اور شدید
ترین

سست اور غافل

بھی پائے جاتے ہیں۔ وہی بچہ جس کو دو قدم
چلنے پر روٹی یا پھل یا پھول انعام کے طور
پر دیا جاتا ہے بعد میں ایک بڑا سیاح بن جاتا
ہے اور دو تین سو میل دو چار دن میں پیدل
سفر طے کر لیتا ہے۔ اب غور کرو اتنا تیز چلنے
والا کون تھا وہی تھا جو کل ایک قدم بھی انعام
کے لالچ کے بغیر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ان فی
خلق السمٰوٰت والارض واختلاف
اللیل والنہار لآیٰت لاولی الالباب
انسان دیکھتا نہیں کہ زمین و آسمان میں ایک تفاوت
پایا جاتا ہے۔ بلندی کے بعد بلندی اور اونچائی
کے بعد اونچائی آتی ہے۔ یہ نشیب اور فراز یہ پستی
اور بلندی کیا چیزیں ہیں

یہ قدرت کے اشارے ہیں

اس امر کی طرف بڑھتے چلے آؤ۔ ترقی کرتے
چلے جاؤ۔ پہاڑوں پر ہم جاتے ہیں تو اسی طرح
ان کی چوٹیوں پر پہنچتے ہیں۔ اگر یکدم دو میل
سیدھا اونچا پہاڑ انسان کے سامنے آ جائے
تو ہمت پست ہو جائے اور وہ اس پر
چڑھنے کا نام بھی نہ لے۔ مگر اب کیا ہوتا ہے
پچاس ساٹھ فٹ اونچا ایک ٹیلہ ہمارے سامنے
آتا ہے اور [illegible] یہ دیکھو [illegible]

نہیں آؤ ہم اس پر چڑھ کر نظارہ دیکھیں چنانچہ ہم اس ٹیلے پر چڑھ جاتے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی تو ایک دوسرا ٹیلہ نظر آتا ہے پھر ہم اس پر چڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح قدم بقدم ہمارا قدم گھستا چلا جاتا ہے اور چوٹی کے بعد چوٹی ہمارے سامنے آتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ہم

ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی پر

بھی چڑھ جاتے ہیں جو ۲۹ ہزار فٹ اونچی ہے۔ گویا پانچ میل لمبی اس کی اونچائی ہے۔ اگر اتنی اونچی پہاڑی یہاں ربوہ میں ہی ہو تو کوئی شخص اس پر چڑھنے کی جرأت نہ کرے۔ لیکن تدریجی طور پر جب ایک بلندی کے بعد دوسری بلندی آتی ہے تو انسان سہولت کے ساتھ ان بلندیوں کو طے کر جاتا ہے۔ گویا ایک ٹیلا تحریک پیدا کرتا ہے دوسرے ٹیلے پر چڑھنے کی اور دوسرا ٹیلا تیسرے پر چڑھنے کی دعوت دیتا ہے۔ جیسے بچے کو پہلے ایک قدم پر روٹی کا ٹکڑا دیا جاتا ہے۔ مگر جب وہ ایک قدم چلنے کی استطاعت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ تو پھر اسے ایک قدم پر نہیں بلکہ دو قدم پر انعام دیا جاتا ہے۔ اگر وہ ایک قدم پر بھی روٹی یا پھل لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو ماں باپ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیتے ہیں۔ اسی طرح نیچر نے ہمارے سامنے ترقیات کا ایک

غیر محدود میدان

رکھا ہے مگر اس کے لئے تدریج اور ارتقاء کا پہلو ساتھ ساتھ رکھا ہے تاکہ شوق ترقی کرے انسانی ہمت بڑھے اور اس کا حوصلہ وسیع ہو جب ترقی کا ایک قدم ہم طے کر لیتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے سب کچھ پا لیا۔ لیکن وہاں پہنچتے ہی ایک اور چوٹی نظر آتی ہے اور وہ ہمیں کہا جاتا ہے ہمت کرو اور اس چوٹی تک پہنچو۔ چنانچہ ہوتے ہوتے ایک دن ہم ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ ہوتے ہوتے ہم نالوں اور دریاؤں اور سمندروں کو پار کر لیتے ہیں۔ ہوتے ہوتے ہم اپنی روحانی اور اخلاقی اور تمدنی مشکلات کو حل کر لیتے ہیں۔ مشکلات بھی کبھی انتہائی رنگ میں انسان کے سامنے نہیں آتیں۔ ہمیشہ قدم بقدم اس کے سامنے آتی ہیں اور وہ قدم بقدم ان پر غالب آتا چلا جاتا ہے۔ دنیا میں

بڑی سے بڑی جنگ

بھی ہو رہی ہو تو ایک دو سالہ کا بچہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ دنیا کے سامنے کونسی مشکلات ہیں ایک چھوٹے بچے کے سامنے سب سے بڑی مشکل یہی ہوتی ہے کہ کس طرح چند قدم چلنے لگ جاؤں۔ میں ابا یا اماں کا لفظ بول سکوں۔ لڑائیاں ہو رہی ہوں۔ ملک تباہ ہو رہے ہوں۔ جانیں ہلاک ہو رہی ہوں بچے کے نزدیک اس کی سب سے بڑی مشکل یہی ہوتی ہے کہ میں ابا اور اماں کا لفظ صحیح بول لوں یا میں اپنی ٹانگوں سے ایک دو قدم چل لوں۔ آخر ایک دن آتا ہے کہ وہ ان مشکلات کو حل کر لیتا ہے اور اب اس کی عمر تین چار سال کی ہو جاتی ہے۔ اب اس کا ذہن پہلے سے زیادہ روشن ہوتا ہے اور اس کی مشکلات بھی پہلے سے مختلف ہوتی ہیں۔ اب اس کی

سب سے بڑی مشکل

یہ ہوتی ہے کہ وہ الف اور ب لکھ لے۔ اس کی سب سے بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ وہ قاعدہ یسرنا القرآن پڑھ لے اب بھی وہ بائرن (Byron) کا کلام نہیں سمجھ سکتا۔ وہ ٹینی سن (Tennyson) کے کلام کو سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتا۔ وہ کیٹس (Keats) کے کلام کو نہیں سمجھتا۔ وہ ورڈز ورتھ (Wordsworth) کے کلام کو نہیں سمجھتا یا ہمارے ملک کے لحاظ سے وہ غالب یا مومن یا ناسخ کا کلام سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتا اس کے نزدیک ٹینی سن (Tennyson) کے کلام کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ ناسخ اور غالب کا کلام اس کے نزدیک بے معنی ہوتا ہے۔ وہ سعدی اور حافظ اور عرفی کے کلام سے بیگانہ ہوتا ہے۔ وہ صرف اتنا جانتا ہے کہ میرے سامنے بڑی مشکل یہی ہے کہ مجھے

الف اور ب لکھنا

آ جائے اور جب وہ الف اور ب لکھنے لگ جاتا ہے تو بے انتہا خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے اپنا مقصد پا لیا۔ جب وہ الف ب اَب یا ب ت بَت لکھنے لگ جاتے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ یا جب وہ ابا یا اماں کہنے لگ جائے تو بڑا خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تمام علوم پر میں نے قبضہ کر لیا ہے اور تمام مشکلات پر میں نے قابو پا لیا ہے۔ بلکہ جب پہلی دفعہ وہ پاجامہ پہننے لگتا ہے یا تہبند باندھنے لگتا ہے تو پاجامہ پہن کر یا تہبند باندھ کر بھی وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنی مشکلات کو حل کر لیا۔ اس کے بعد وہ آٹھ دس سال کی عمر میں پہنچ جاتا ہے اور اب اس کی مشکلات اور زیادہ وسیع ہو جاتی ہیں۔ اب اس کے سامنے

یہ سوال آتا ہے

میں پرائمری پاس کر لوں۔ پھر اور عمر بڑھتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ کچھ انگریزی آنی چاہیئے۔ اس وقت اسے نماز کا ترجمہ بھی سکھایا جاتا ہے تو معمولی۔ اسی طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کے چند موٹے موٹے مسائل اُسے بتائے جاتے ہیں۔

دنیا کی مشکلات

ابھی اس کے ذہن میں نہیں ہوتیں اور نہ وہ اُن کے سمجھنے کی استعداد رکھتا ہے۔ وہ امریکہ اور چین اور کوریا کے جھگڑوں سے ناواقف ہوتا ہے۔ وہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ مجھے اے بی سی ڈی آ جائے یا مجھے نہانا دھونا آ جائے یا کوئی عیسائی ہے تو اسے کھانے اور سونے کی دعا آ جائے یہی مشکلات اس کے سامنے ہوتی ہیں اس سے زیادہ نہ وہ سوچ سکتا ہے۔ اور نہ کسی بات کو سمجھنے کی اہلیت اور استعداد رکھتا ہے پھر اسی طرح وہ قدم بقدم چلتا چلا جاتا ہے اور دنیا کی مشکلات سے آگاہ ہوتا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی بسا اوقات اپنے ایک مخصوص ماحول میں رہنے کی وجہ سے بڑی عمر ہو جانے کے باوجود وہ دنیا کی مشکلات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

لطیفہ سنایا کرتے تھے

کہ کوئی چوہڑا ایک دفعہ لاہور کے قریب سے گذرا۔ اس نے دیکھا کہ سارے لاہور میں کہرام مچا ہوا ہے۔ دوکانیں بند ہیں۔ مرد عورتیں اور بچے سب رو رہے ہیں۔ اور پریشانی کے عالم میں ادھر اُدھر پھر رہے ہیں۔ اُس دن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت واقعہ ہوئی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کوئی متمدن بادشاہ نہیں تھا۔ مگر چونکہ طوائف الملوکی کے بعد اس نے پنجاب میں حکومت قائم کی تھی اور سکھ قبائل کی طرف سے جو ظلم ہو رہے تھے۔ اس کو اس نے دور کیا تھا۔ اس لئے ہندو اور مسلمان سب اس سے محبت رکھتے تھے پس ان لوگوں کے لئے جو لاہور کے رہنے والے تھے۔ اور سیاسیات کو سمجھتے تھے اور جنہوں نے سکھوں کے انتہائی مظالم اور لوٹ مار کے بعد

مہاراجہ رنجیت سنگھ

کے عہد میں امن میسر آیا تھا۔ یہ صدمہ واقعہ میں پریشان کن تھا لیکن چوہڑے کے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں۔ اسے سکھوں نے لوٹنا کیا تھا مسلمانوں کے پاس دولت تھی۔ اس لئے سکھ انہیں لوٹا کرتے تھے۔ لیکن چوہڑا جو ایک گاؤں میں رہ رہا تھا اس کا تو یہی کام تھا کہ ٹوکری اٹھائے اور گھر آ جائے۔ یا مزدوری کرے اور چالیس آنے [illegible] مزدوری کے لحاظ سے ایک ہندو بھی اسے من ڈیڑھ من بوجھ اٹھواتا اور ایک مسلمان بھی اسے اتنا ہی بوجھ اٹھواتا۔ اور اس کے بعد اُسے روکھی سوکھی روٹی اور پیاز دے دیتا۔ یا چند پیسے دے دیتا اور وہ گھر چلا جاتا۔ پس اس کے نزدیک تو نہ پنجاب میں کبھی کوئی فساد ہوا تھا۔ اور نہ کسی نے اُسے دور کیا۔ اس نے جاتے بڑے لوگوں کو

پریشانی کے عالم میں

ادھر اُدھر پھرتے دیکھا تو اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اس طرح رو رہے ہیں۔ کسی نے کہا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ فوت ہو گیا ہے۔ اب اس کے لئے یہ بات اور زیادہ تعجب خیز تھی۔ کہ ایک آدمی کے مرنے پر اتنے آدمی رونے کس لئے جا رہے ہیں۔ وہ سر پر ہاتھ مار کر کہنے لگا کہ پتہ نہیں لوگوں کو کیا ہو گیا ہے باپو ہوریں جیسے مر گئے تے رنجیت سنگھ بیچارے دی کی حیثیت ہے یعنی جب میرے باپ جیسے لوگ مر گئے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ بیچارے کی کیا حیثیت تھی۔ گویا اس چوہڑے کے نزدیک دنیا کی بہترین چیز یا نظم کو قائم رکھنے والی طاقت اس کا باپ تھا کیونکہ وہ اپنے ماحول میں اس سے زیادہ حیثیت کسی چیز کی جو ہو، نہیں سکتا تھا لیکن اگر ہم غور کریں تو رنجیت سنگھ کی حیثیت بھی دنیا کے مقابلہ میں کیا تھی۔ لاہور کے رہنے والے صرف اپنے ماحول کو دیکھتے تھے۔ ان کو ابھی دنیا کے مستقبل یا دنیا کی طاقتوں کا کچھ علم نہیں تھا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ ہوا ہے۔ اس وقت

انگریزوں کی ایک کمپنی

ہندوستان میں حکومت کر رہی تھی۔ اور یورپین قوموں کو اتنی طاقت حاصل تھی۔ کہ ان کی ایک بریگیڈ لاہور والوں کو شکست دے سکتی تھی پس ان کے سامنے بھی صرف اپنی مشکلات تھیں نہ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ کی طاقت ان کے سامنے تھی نہ فرانس کی طاقت ان کے سامنے تھی۔ نہ جرمنی کی طاقت ان کے سامنے تھی صرف چند ڈاکوؤں کی لوٹ مار اور ان کی غارتگری کے واقعات ان کے سامنے تھے اور چونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کو دور کیا۔ اس لئے ان کی نگاہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ بہت بڑا بادشاہ تھا۔ لیکن بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا مطمح نظر اس چوہڑے سے بہت اونچا تھا۔ اور ان سے یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا مطمح نظر بہت اونچا تھا۔ وہ اس سے زیادہ سوچتے تھے۔ جتنا لاہور والے سوچتے تھے۔ اور وہ اس سے زیادہ

دنیا کی مشکلات کا علم

رکھتے تھے۔ جتنی مشکلات کا لاہور والوں کو علم تھا۔ مگر پھر بھی وہ ان مسائل کو اس طرح نہیں سوچ سکتے تھے۔ جس طرح اس زمانہ میں یورپ اور امریکہ کے لوگ سوچ رہے ہیں۔ اس زمانہ میں جس قسم کی توپیں نکلی ہیں جس قسم کے ہوائی جہاز نکلے ہیں جس قسم کے ہتھیار نکلے ہیں جس قسم کا ایٹم بم ایجاد ہوا ہے۔ ان ایجادات اور ہتھیاروں کی پہلے لوگوں کو کہاں خبر تھی۔ وہ سوچتے تھے تو اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اور اس زمانہ کے لوگ سوچتے ہیں۔ تو اپنے حالات کے مطابق۔ اگر اس زمانہ کی ترقیات کا پہلے زمانہ کے لوگوں کے سامنے ذکر کیا جاتا تو ان باتوں کو ویسا ہی لغو سمجھتے جیسے اگر چوہڑے کے سامنے [illegible] کا ذکر کیا جاتا۔ تو وہ کہتا کہ یہ نکمی بات ہے۔ میں ایسی لغو بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ غرض [illegible]

تمدنی [illegible]

کو طے کرنے کے بعد جا [illegible]

انسان اپنا [illegible] بیٹھے۔ اور وہ

کسی ترقی کو بھی حاصل نہ کر سکے۔ اس چوہڑے کے لئے بھی عزت بی تھی کہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد کو دیکھتا لیکن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے سامنے دلی کے بادشاہ رہتے تھے۔ اور دلی کے بادشاہوں کے سامنے وہ حکمران رہتے تھے۔ جنہوں نے ان سے بھی زیادہ شاندار حکومت کی اس طرح ہر ایک شخص سمجھتا چلا گیا۔ اور چونکہ قدم بقدم ایک کے بعد دوسری چوٹی آئی۔ اسلئے ہر ایک نے سمجھا کہ اس چوٹی کو سر کیا جا سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنہار لاٰیاتٍ لاولی الالباب۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ کس طرح پستی کے بعد بلندی اور ہر بلندی کے بعد بلندی آجاتی ہے۔ پستی کے نیچے اور پستی پائی جاتی ہے۔ اور

بلندی کے اوپر بلندی

موجود ہے۔ تم گرتے ہو۔ تو تمہیں پتہ بھی نہیں لگتا کہ تم کہاں آگر گرے ہو۔ اگر وہی حالت جو آج مسلمانوں کی ہے۔ بنو امیہ یا بنو عباس کے زمانہ میں یکدم مسلمانوں کی ہو جاتی۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ اس صدمہ کی شدت کی وجہ سے ان کی جانیں نکل جاتیں۔ اور وہ سارے کے سارے مر جاتے۔ مگر آج وہ خوش ہیں۔ ان میں کوئی بے چینی نہیں۔ کوئی بے کلی نہیں سوائے چند سیاسی لوگوں کے باقی سب سمجھتے ہیں۔ کہ یہ ایک طبعی حالت ہے۔ جو ان پر وارد ہوئی ہے حالانکہ اگر ہم غور کریں۔ اور مسلمان کی اس طاقت کو سامنے رکھیں جو کسی زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔ تو اس کا آج کا تنزل اتنا خوفناک ہے کہ اس کا تصور کر کے بھی دل بیٹھنے لگتا ہے۔ ایک زمانہ مسلمانوں پر وہ گذرا ہے۔ جب ایک

ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان

بھی یہ سمجھتا تھا کہ میرے پیچھے میری قوم کی بہت بڑی طاقت ہے۔ جرمنی آج کل عارضی طور پر دبا ہوا ہے۔ لیکن جس زمانہ میں جرمن طاقتور تھا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ جرمن بھی اگر چین میں جاتا۔ یا جاپان میں جاتا بلکہ اگر جرمنی کا ایک چوہڑا بھی وہاں چلا جاتا۔ تو وہ سمجھتا تھا کہ مجھے چھیڑنا کوئی آسان کام نہیں۔ میرے پیچھے جرمنی کی توپیں ہیں۔ میرے پیچھے جرمنی کے ہوائی جہاز اور جرمنی کی فوجیں ہیں۔ یہی حال امریکہ کا ہے۔ امریکہ کا ایک معمولی سے معمولی آدمی بھی دنیا کے کسی خطہ میں چلا جائے لوگ اس پر ہاتھ ڈالنے سے گھبراتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس شخص کی پشت پر امریکہ کی توپیں امریکہ کے جہاز اور امریکہ کی فوجیں ہیں۔ لیکن ہندوستان کا ایک نواب بھی وہاں جاتا تھا تو ڈرتا تھا۔ کیونکہ سمجھتا تھا کہ میری پشت پر کوئی طاقت نہیں۔ غرض یہاں کا نواب بھی باہر جا کر ڈرتا ہے۔ مگر طاقتور حکومتوں کا چوہڑا بھی باہر جاتا ہے۔ تو اکڑ اکڑ کر چلتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ میرے پیچھے میری قوم کے جہاز اور توپیں ہیں۔ اور میرے پیچھے میری

قوم کی طاقت

ہے اور اس چیز نے اس کی عزت اور رتبہ کو قائم کیا ہوا ہے۔ یہی حال کسی وقت مسلمان کا تھا۔ آج پاکستان آزاد ہے مگر چونکہ ابھی پورے طور پر اس کی طاقت مضبوط نہیں ہوئی۔ اس لئے پاکستان کا رہنے والا خواہ جرمنی چلا جائے یا چین اور جاپان میں چلا جائے اسے وہ عزت حاصل نہیں ہوتی جو ایک امریکن یا انگلستان کے رہنے والے کو ہمارے ملک میں حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک امریکن کے پیچھے امریکہ کے جہاز اور امریکہ کی فوجیں اور توپیں کھڑی ہیں۔ لیکن ایک مسلمان کے پیچھے یہ چیزیں نہیں ہیں اس لئے دنیا

ایک امریکن کی عزت

کرتی ہے۔ ایک انگلستان کے رہنے والے کی عزت کرتی ہے۔ لیکن ایک مسلمان کی عزت نہیں کرتی مگر یہی چیز دنیا کے پردہ پر کسی وقت مسلمان کو حاصل تھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت کا مسلمان بھی جب باہر نکلتا تھا تو دنیا کی طاقتیں جانتی تھیں۔ کہ گو یہ مسلمان اکیلا ہے۔ مگر وہ اکیلا نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم نے اس مسلمان کو چھیڑا تو چین سے لے کر اندلس تک ساری اسلامی دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔

سیلون سے ایک قافلہ

آتا ہے۔ اور ہندوستان میں لوگ اسے لوٹ لیتے ہیں کچھ عرب عورتیں بھی قید ہو جاتی ہیں۔ اور وہ کسی کے ذریعہ سے عراق میں پیغام بھجواتی ہیں۔ کہ عرب عورتوں کی عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے ناموس کے تحفظ کا تم سے مطالبہ کرتی ہیں۔ اس وقت

بنو امیہ

کی ایران سے ایک طرف اور سپین سے دوسری طرف جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ اچانک یہ پیغام پہنچتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک قافلہ لوٹا گیا ہے۔ اور کچھ مسلمان قید کر لئے گئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اس وقت ہمارے سامنے ایک نہایت بڑی مہم ہے میں اس وقت کسی اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ لیکن جب اُسے یہ پیغام دیا گیا کہ ان قید ہونے والوں میں کچھ مسلمان عورتیں بھی تھیں جنہوں نے اپنے

ناموس اور اپنی عزت

کے تحفظ کا ملک سے مطالبہ کیا تھا تو بادشاہ یکدم کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ باوجود موجودہ جنگوں کے لشکر فوراً ہندوستان کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ مسلمان لشکر ہندوستان میں پہنچا اور وہ اس وقت تک واپس نہیں گیا جب تک اُس نے اس ملک کو فتح نہیں کر لیا۔ مگر یہ تو طاقت کے زمانہ کی بات تھی۔ جب مسلمان اپنی شاندار حکومت قائم کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں جب مسلمان بالکل گر چکے تھے۔ خلافت صرف نام کی باقی رہ گئی تھی۔ اسلامی خلیفہ صرف بغداد کا خلیفہ کہلاتا تھا۔ عرب کی الگ حکومت قائم ہو چکی تھی حلب کی الگ حکومت قائم ہو چکی تھی۔ مصر کی الگ حکومت قائم ہو چکی تھی۔ خراسان کی الگ حکومت قائم ہو چکی تھی۔ گویا اسلامی حکومت کئی ٹکڑے ہو چکی تھی۔ صرف خطبوں میں خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ خدا فلاں عباسی خلیفہ کی شہرت کو بڑھائے اور اس کی عزت کو قائم کرے۔ لیکن عملاً ہر علاقہ میں الگ الگ حکومتیں قائم تھیں

خلافت کا اقتدار

مٹ چکا تھا۔ صلیبی جنگیں شروع ہو گئی تھیں۔ اور عیسائی پھر مسلمان ممالک کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کی فوجیں فلسطین میں اُتر رہی تھیں اور عکا انہوں نے فتح کر لیا تھا اس وقت ایک مسلمان عورت کو عیسائیوں نے پکڑ لیا۔ وہ عورت ان پرانے جاہل طبقہ کے لوگوں میں سے تھی۔ جو انگریزوں کے زمانہ میں بھی یہ خطبہ پڑھا کرتے تھے کہ خدا ہمارے بادشاہ جہانگیر کی عزت بلند کرے۔ وہ بے چاری بھی ایسی ہی تھی۔ اُسے پتہ نہیں تھا کہ خلیفہ کیا ہوتا ہے۔ صرف اس نے سنا ہوا تھا کہ مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوتا ہے اور اس کی بڑی طاقت ہوتی ہے۔ جب اس عورت کو گرفتار کرنے کے لئے عیسائیوں نے ہاتھ ڈالا تو اس خیال کے ماتحت کہ مجھے کیا ڈر ہے جبکہ ہمارا

ایک خلیفہ موجود ہے

اس نے زور سے آواز دی کہ میں خلیفہ سے اپنی فریاد کرتی ہوں۔ اس وقت ایک مسلمان قافلہ وہاں سے گذر رہا تھا اس نے یہ آواز سنی اور ہنستے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔ کہ یہ عورت کیسی بیوقوف ہے۔ اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہمارے خلیفہ کی آجکل کیا حالت ہے اور وہ اس کی کچھ مدد بھی کر سکتا ہے یا نہیں۔ چلتے چلتے قافلہ ایک دن بغداد پہنچا۔ قافلہ کے پہنچنے پر شہر کے تمام لوگ اکٹھے ہو گئے اور باتوں باتوں میں پوچھنے لگے کہ سفر کی کوئی عجیب بات سناؤ۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا کہ سب سے بڑا عجوبہ ہم نے یہ دیکھا کہ ایک مسلمان عورت کو عیسائیوں نے پکڑ لیا۔ تو وہ عورت بلند آواز سے کہنے لگی کہ میں خلیفہ سے اپنی فریاد کرتی ہوں۔ حالانکہ ہمارا خلیفہ تو بغداد سے بھی نہیں نکل سکتا اور وہ شام میں بیٹھی ہوئی خلیفہ کو اپنی مدد کے لئے بلاتی ہے۔ یہ لطیفہ شہر میں پھیلنا شروع ہوا یہاں تک کہ پھیلتے پھیلتے

دربار خلافت میں

بھی پیش ہو گیا کسی شخص نے خلیفہ وقت سے کہا کہ اس طرح شام کے علاقہ میں ایک مسلمان عورت کو عیسائیوں نے گرفتار کر لیا ہے اور ہم ... ہے کہ جب وہ گرفتار ہوئی تو اس نے بلند آواز سے کہا کہ میں خلیفہ کو اپنی مدد کے لئے پکارتی ہوں۔ خلافت اس وقت مٹ چکی تھی۔ اسلامی حکومت تنزل میں جا رہی تھی۔ لیکن ابھی وہ زمانہ نہیں آیا تھا کہ بادشاہت کی بو بھی اُن کے دماغ سے اُڑ گئی ہو۔ جب یہ روایت خلیفہ کے سامنے بیان کی گئی تو وہ عباسی بادشاہ اپنے تخت سے فوراً نیچے اُتر آیا اور اس نے کہا

خدا کی قسم

اگر اس مسلمان عورت نے مجھ پر اعتبار کیا ہے تو میں بھی اب واپس نہیں لوٹوں گا جب تک کہ اس عورت کو آزاد نہ کرا لوں۔ اس وقت مسلمان گو متفرق ہو چکے تھے مگر خلافت سے محبت ابھی کچھ باقی تھی اور اسلام کی عظمت کی یاد ان کے ذہنوں میں تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس مردہ اور سڑے گلے جسم میں بھی زندگانی کا خون دوڑنے لگ گیا ہے تو سارے شہر میں ایک آگ لگ گئی بغداد پندرہ بیس لاکھ کا شہر تھا۔ ہزاروں مسلمان کھڑا ہو گیا اور انہوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم واپس نہیں لوٹیں گے جب تک مسلمان عورت کو آزاد نہ کرا لیں جب یہ خبر اردگرد پھیلی تو

دوسری آزاد حکومتیں

جو اس بات پر خلیفہ سے جھگڑ رہی تھیں کہ تم کون ہوتے ہو ہم پر حکومت کرنے والے ہم آزاد ہیں۔ انہی کی طرف سے پیغام آنے شروع ہو گئے کہ ہم اپنی فوجیں آپ کی مدد کے لئے بھجوا رہے ہیں۔ چنانچہ اسلامی لشکر گیا اور عیسائیوں سے لڑا اور اس عورت کو آزاد کرا لیا تو ایک زمانہ تھا جب مسلمان اتنی بڑی طاقت کا مالک تھا مگر آج مسلمان کی یہ حالت ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل اس کو سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہی کیفیت جو آج مسلمانوں کی ہے یکدم ان پر وارد ہو جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ شاید ان میں سے ایک بھی نہ بچتا سارون کی جان نکل جاتی۔

ہٹلر کو دیکھ لو

چونکہ وہ یکدم گرا تھا اسلئے خودکشی کر کے مر گیا اس سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ کجا میری یہ حالت تھی کہ مجھے جرمنی پر حکومت حاصل اور حکومت بھی استبدادوالی اور کجا یہ کہ اب مجھے روسیوں اور امریکنوں کی غلامی کرنی پڑے گی یہ چیز اس کی طاقت برداشت سے باہر ہو گئی اور وہ مر گیا۔ اسی طرح ہزاروں ہزار واقعات دنیا میں نظر آتے ہیں کہ جب لوگوں کی طاقت برداشت سے کوئی بات بڑھ گئی تو وہ خودکشی کر کے مر گئے پس میں سمجھتا ہوں کہ اگر یکدم مسلمانوں کی یہ حالت ہو جاتی تو شاید کچھ ہی لوگ جو بہت ہی بے غیرت ہوتے بچ جاتے باقی سب کے سب مر جاتے اگر ماموں اور امین کے زمانہ سے حالات یکدم گر کر آجکی حالت پیدا ہو جاتی تو نوے

بچانوے فی صدی مسلمان

تو ضرور اس صدمہ سے مر جاتے۔ وہ خودکشی تو نہ کرتے کیونکہ خودکشی اسلام میں منع ہے مگر وہ مر ضرور جاتے لیکن چونکہ وہ آہستہ آہستہ گرے۔ باپ کی حالت سے بیٹے کی حالت کمزور ہو گئی اور بیٹے کی حالت سے پوتے کی حالت گر گئی اسلئے ان میں طاقت برداشت بھی پیدا ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آج مسلمان اس حالت کو پہنچ گیا ہے کہ اس کی عزت اور ناموس کی کوئی قیمت نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ آج ہماری جماعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو ترقی کا ایک نیا موقع بخشا گیا ہے۔ ان میں وہ بیداری نہیں پائی جاتی جو زندہ اور فعال جماعتوں میں پائی جانی چاہیئے ان میں وہ جنون نہیں پایا جاتا جو دنیا کو کھا جانے والی قوموں میں پایا جاتا ہے ان میں مردنی چھا چکی ہے۔ وہ عادی ہو چکے ہیں رسوائی کے۔ وہ

غلامی کی کڑیوں کو

اپنے لئے زیور سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے مردوں پر لدے ہوئے جوئے کو اپنے لئے عزت کا موجب سمجھتے ہیں اور

ان میں وہ بیداری نہیں۔ وہ عزم نہیں وہ بے چینی نہیں جو حقیقی ذلت کے پہچاننے والے انسانوں میں ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ اپنا مامور بھیجتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ قوم اب پچھلی مصیبتوں کی عادی ہو چکی ہے۔ اب ان کے دلوں میں اگلی امیدیں پیدا کرو تاکہ یہ مردہ قوم پھر زندہ ہو سکے۔

یہی فرق ہے

مولویوں میں اور خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے ہوئے ماموروں میں۔ مولوی ہمیشہ پچھلی مصیبتیں یاد دلاتا ہے اور اس طرح قوم کے ارادوں کو پست کرتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا مامور ان کے دلوں میں نئی امیدیں پیدا کر کے انہیں آئندہ کی ترقی کے لئے ابھارتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ طاقتور ہو تم دنیا پر غالب آنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ تم آگے بڑھو کر دنیا کی قوموں کی باگ تمہارے ہاتھ میں آنیوالی ہے۔ لیکن بوجہ ایک پرانی عادت کے بڑھ جانے کے ہزاروں ہزار لوگ ایسے ہیں جن کو جھنجھوڑنا پڑتا ہے۔ جن کو جگانا پڑتا ہے۔ جن کو بیدار کرنا پڑتا ہے۔ مگر وہ پھر سو جاتے ہیں وہ پھر سست اور غافل ہو جاتے ہیں۔ پس

حقیقت یہی ہے

کہ ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنہار لاٰیٰت لاولی الالباب۔

سمجھدار انسان کے لئے اس دنیا کے پردہ پر ہزاروں بیداری کی چیزیں ہیں۔ کسی کے لئے یہ امر بیداری پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے کہ میں گر کر کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور کسی کے لئے یہ امر بیداری پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے میری ترقی کے لئے کہاں تک سیڑھیاں لگا رکھی ہیں کہ میں ان سیڑھیوں کے ذریعہ زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچ سکتا ہوں۔ غرض کسی کے لئے رات

ہدایت کا موجب

ہو جاتی ہے اور کسی کے لئے دن ہدایت کا موجب ہو جاتا ہے اور یہ رات اور دن کا چکر چلتا چلا جاتا ہے۔ قدرت کے قانون کے مطابق راتوں کا آنا بھی ضروری ہے اور دنوں کا آنا بھی ضروری ہے لیکن اگر رات کو دن سے بدلا جا سکے تو کون ہے جو یہ پسند نہیں کرے گا کہ میرے کام کا زمانہ لمبا ہو اور میری غفلت اور سونے کا زمانہ کم ہو۔ ہم مانتے ہیں کہ دن بھی ضروری ہے اور رات بھی ضروری لیکن سوال یہ ہے۔ کہ اگر دن لانا ہمارے اختیار میں ہو تو ہم کام کے وقت رات کو لائیں گے ہی کیوں؟ ہم تو یہی چاہیں گے۔ کہ کام کا زمانہ لمبا ہو عقلمند انسان جو قشر کو نہیں دیکھتا بلکہ مغز پر نظر رکھتا ہے جو ظاہر کو نہیں باطن کو دیکھتا ہے۔ اس کی اصل توجہ ہمیشہ اپنے کام کی طرف رہتی ہے۔ وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ اسے کام کے بدلہ میں کچھ تنخواہ بھی ملتی ہے یا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ

جس چیز کے پیچھے میں لگا ہوا ہوں۔ وہی میری روٹی وہی میرا کپڑا اور وہی میری

زندگی کا سہارا

ہے۔ واقعہ یہی ہے۔ کہ انسان روٹی سے نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کے کلام سے زندہ رہتا ہے۔ دنیا میں دو قسم کی روٹی ہوتی ہے۔ ایک وہ روٹی ہوتی ہے جو سینکڑوں سال کے لئے مل جاتی ہے۔ اور ایک وہ روٹی ہوتی ہے جس کے لئے صبح بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور شام کو بھی۔ قرآن کریم میں عیسائیوں کے متعلق ذکر آتا ہے کہ انہوں نے حضرت ناصری سے کہا۔ کہ آپ خدا تعالےٰ سے دعا کریں۔ کہ وہ ہمیں مائدہ دے۔ جو آسمان سے نازل ہو۔ اس کے معنے بھی یہی تھے کہ وہ ہمیں

روحانی بادشاہت

عطا کرے۔ کیونکہ روحانی بادشاہت میں ایک ایسی چیز ہے جو آسمان سے اترتی ہے۔ اور جس کے حصول کے بعد صبح شام کی محنت جاتی رہتی ہے۔ اس لئے وہ قومیں جو مذہب کے ذریعہ دنیا میں ترقی کیا کرتی ہیں۔ ان کے لئے صبح شام کی محنت جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ دنیا کی حاکم ہو جاتی ہیں۔ دنیا کے خزانے اس کے ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں بے محنت آپ ہی آپ اللہ تعالےٰ کی طرف سے روزی مہیا ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جب روحانی بیداری ختم ہو جاتی ہے۔ تو جیسے موسےٰ کے بعد ہوا۔ اور جیسے عیسیٰ کے بعد ہوا۔ اور جیسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہوا۔ پھر وہ قوم سزا پاتی ہے۔ اور ہر شخص اپنے کئے کا نتیجہ بھگتتا ہے تمہارے اندر بھی اس وقت خدا تعالےٰ کی طرف سے

ایک نئی روح

پیدا کی گئی ہے۔ تمہارے لئے بھی ایک نیا مقصد مقرر کیا گیا ہے۔ تمہارے لئے بھی ایک نئی زندگی پیش کی گئی ہے۔ امریکہ کو باوجود اس کی ساری طاقت کے کوئی یہ کہنے والا نہیں کہ اٹھ اور میں تجھے اٹھاؤں گا۔ انگلستان کو باوجود اتنا طاقتور ملک ہونے کے کوئی یہ کہنے والا نہیں کہ اٹھ اور میں تجھے اٹھاؤں گا۔ اسی طرح جرمنی۔ فرانس سپین۔ روس۔ چین۔ جاپان اور ہندوستان کو کوئی یہ کہنے والا نہیں کہ اٹھ اور میں تجھے اٹھاؤں گا۔ صرف ایک احمدی جماعت ہی اس دنیا کے پردہ پر ایسی ہے۔ جسے خدا نے اپنے عرش سے کہا کہ اٹھ اور میں تجھے اٹھاؤں گا اگر ہم پھر بھی نہیں اٹھتے۔ تو ہم سے زیادہ بدبخت اور کون ہو سکتا ہے۔

صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کا ورود کلکتہ

مورخہ ۶/۵۲ کو مونگھیر سے بذریعہ تار اطلاع ملی کہ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ ۷ مئی کو کلکتہ تشریف لا رہے ہیں۔ اس خوشخبری سے تمام احباب جماعت احمدیہ کلکتہ کے قلوب میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ ۷ مئی کو صاحبزادہ صاحب محترم کلکتہ پہنچ گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

عام مہمانوازی اور خدمت گذاری کے علاوہ مقامی جماعت نے مورخہ ۵/۵۲ ۱۱ بروز اتوار صاحبزادہ صاحب کے اعزاز میں بمقام کمپنی باغ دعوت عصرانہ کا انتظام کیا جس کے بعد مجلس خدام الاحمدیہ کلکتہ نے ایک جلسہ کیا جس میں مجلس کی طرف سے صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں حسب ذیل ایڈریس پیش کیا گیا۔ جو قائد خدام الاحمدیہ خاکسار بدرالدین احمد نے پڑھ کر سنایا۔

مکرم و محترم جناب نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سلمہ اللہ الاحد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بے حد و بے حساب شکر ہے کہ خدائے عزوجل نے محض اپنی حکمت و رحمانیت کے تحت ہمیں یہ سعادت بخشی کہ آنمکرم یہاں تشریف لائے اور مقامی جماعت احمدیہ کے تمام خورد و کلاں نے اپنے اپنے ظرف کے مطابق آپ کی ملاقات ہمنشینی و ہمکلامی اور سیر و سیاحت میں ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حق یہ ہے کہ ہم احمدی اس سچائی پر بصدق دل ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود اور حضور کی ذریت طیبہ قابل قدر شعائر اللہ ہیں

منجملہ شعائر عظیمہ آنمکرم کا وجود ایک ازاں اللہ شعیرہ اور آپکی تشریف آوری ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے لہٰذا ہم آنمحترم کو اپنے قلب کی گہرائیوں سے۔ اہلاً و سہلاً و مرحبا کہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی آمد و قیام کو موجب برکات و حسنات بنائے۔ آمین۔

مکرما! تقسیم ملک کے بعد جنوبی ہندوستان کے احمدی اپنے آقا سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے بغیر ماہی بے آب اور جسد بے جان بنے ہوئے ہیں۔ اندریں حالات ہمیں اس خوش نصیبی پر ناز ہے کہ امام ہمام کا لخت جگر اور مسیح پاک کا پوتا ہمارے اندر موجود ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کلکتہ بجا طور پر اپنی خوش بختی پر نازاں ہے کہ آج آپ بنفس نفیس یہاں رونق افروز ہیں۔ اگرچہ نیرنگیٔ زمانہ نے بہتوں کی پردہ دری کر دی ہے۔ اور بالعموم لوگوں کے بلند و بانگ جھوٹے ڈھول کھوکھلے کر دکھلائے تاہم اس ستار العیوب پروردگار کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہماری پردہ پوشی فرمائی اور ہمیں پیمان وفا پر قائم رکھا۔ مکرم صاحبزادہ صاحب! موجودہ دنیا کی سموم فضا ایسا رنگ اختیار کر چکی ہے کہ یہ سچ مچ ہر کسے در کار خود با دین احمد کار نیست کا نظارہ دیکھ کر دل بیٹھ جاتا ہے اور بلقاء ... نظر نہیں آتے کہ دنیا پر فریفتہ دنیا دار اللہ اور رسول کی طرف توجہ کریں مگر الٰہی نوشتے بتاتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے زور آور حملے دلوں کو بدل کر چھوڑیں گے اور آخر وہ دن ضرور آئیگا جبکہ اسلام کی ... آسمان پر ہے زمین پر بھی قائم ہوگی سو قضائے آسمانست ایں بہر حالت شود پیدا۔ مگر تمنا ہے اور صرف یہی ایک تمنا ہے کہ اللہ اس زندگی میں ہم سے بھی کوئی کام لے لے اور خدمت اسلام و احمدیت کی انجام دہی میں ہم بھی حصہ دار ...

> ایں سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سو اپنی تہیدستی اور بے بضاعتی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت پر ہماری نظر ہے۔ لہٰذا آپ سے اور درویشان قادیان سے استدعا ہے کہ مقامات مقدسہ میں ہم سب کو خاص دعاؤں میں یاد رکھا جائے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے عہد بیعت کو نباہنے کی توفیق بخشے تاکہ اسلام احمدیت کا زندہ نمونہ بن سکیں۔

مکرم صاحبزادہ صاحب! آپکی اس تاریخی آمد نے ہماری خفتہ روحوں کو بیدار اور افسردہ دلوں کو ہوشیار کر دیا ہے۔ پے بہ پے انقلابات اور حوادث و نوازل کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لوگوں پر ایک جمود سا طاری ہو گیا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ... مقناطیسی وجودوں کی جو سکون کو حرکت سے بدلتے رہیں۔ اور یہ وصف اللہ تعالےٰ نے آپکی ذات میں بقدر وافر ودیعت فرمایا ہے ہمیں امید ہے کہ آئندہ بھی جب کبھی موقع ملے آپ اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہمیں سرفراز فرمائیں گے اور ہمیں اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں گے انشاء اللہ۔ جزاکم اللہ۔ خاکساران ارکان مجلس خدام الاحمدیہ کلکتہ۔

ایڈریس کے بعد صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ تعلیم کے سلسلہ میں بنگلہ نو آیا تھا لیکن اب دو دفعہ کیلئے بنانا ... اتفاق ہوا اور پھر کلکتہ۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں کوئی شک نہیں کہ حالات پہلے سے بدل گئے ہیں اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ پاکستان چلے گئے ہیں جسکی وجہ سے جماعت میں ... جمود سا ہو گیا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم ... تعلق مرکز سے وابستہ رکھیں اگر ہم اپنی تمام توجہ سلسلہ کی خدمت کیلئے وقف کر دیں اور قربانی کریں تو اس کو خدا تعالیٰ ضرور اجر دیا کرتا ہے۔ آپ نے مجلس کی کارگذاری پر خوشی کا اظہار فرمایا نیز فرمایا جس سال سکندر آباد کی مجلس کو علم انعامی ملا تھا۔ آپ نے کلکتہ کی مجلس کو بڑی نہ کہا ... علم انعامی کا حق پہنچتا تھا مگر سکندر آباد کی مجلس کو انکی قربانیوں اور کاموں کی وجہ سے فوقیت حاصل ہوگئی آپ نے خدام الاحمدیہ کی اہمیت اور ... پر ... زور دیا۔ بعدہ صاحب صدر الحاج مولانا محمد سلیم صاحب فاضل نے ایک نہایت ہی مبسوط تقریر فرمائی جس میں صاحبزادہ صاحب کی آمد پر جماعت کی طرف سے خوشی آمدید کہا نیز فرمایا حضرت مسیح موعود کی ذریت طیبہ واقعی قابل قدر شعائر اللہ میں حضرت خلیفۃ المسیح اول کے زمانہ کا ایک واقعہ بھی بیان فرمایا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح ... حضرت خلیفۃ المسیح اول کی تیمارداری میں مصروف تھے کہ حضور کو آپکی ایک بیماری کی ... ملاقات کی اطلاع ملی مگر آپ بر بنا خدمت وہ یہ مصروف رہے جب وہ تین مرتبہ ... کے وجود آپ گھر نہ گئے تو حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ ... بیمار ہے جاؤ ...

حضرت بابا نانک صاحب رح

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ پاکستان)

(۱)

نوٹ:- افسوس یہ قیمتی مضمون دیر سے ملنے کی وجہ سے خاص نمبر میں شائع نہیں ہو سکا۔ لہذا اب شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

پنجاب کا کوئی فرد بشر ہوگا جو بابا نانک کے نام سے ناواقف ہو۔ آپ ۲ رشوال ۸۷۳ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۴۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد محترم کا نام کالو چند۔ اور والدہ صاحبہ کا نام ترپتا جی تھا۔ کسی نے آپ کی پیدائش کتک کی پورنماشی اور کسی نے بیساکھ شدی ۳ لکھی ہے۔ پورنماشی قمری مہینہ کے چاندنی والے حصہ کی پندرہ تاریخ کو کہتے ہیں سکھوں کے گوربپ جو سکھ اتہاس میں لکھے ہیں وہ تمام تر شدی بدی کے حساب سے ہیں۔ شدی قمری مہینہ کے چاندنی والے حصہ اور بدی قمری ماہ کی اندھیری راتوں کے حصہ کو کہتے ہیں۔ گویا سکھوں کے مقدس تہوار مسلمانوں کے طریق یعنی قمری حساب کے مطابق ہیں۔ اور یہ سکھوں کی مسلمانوں کے ساتھ قرابت کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

جائے پیدائش

آپ کی پیدائش موضع تلونڈی رائے بھوئے میں بتائی جاتی ہے۔ رائے بھوئے ... خاندان کا مالگذار اور علاقہ تلونڈی کا مالک تھا۔ یہ تلونڈی اب ننکانہ صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ حکومت پاکستان ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے سکھ تواریخ میں چھ ننکانوں کا ذکر آتا ہے جن میں سے پانچ پاکستان اور ایک بھارت میں ہے سوڈھی مہربان اور صورت سنگھ نے آپ کی پیدائش موضع ہاٹھ خود پور متصل مانگا بتائی ہے (حاشیہ تاریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۰۸ مصنفہ گیانی گیان سنگھ دگوربپ نرنے صفحہ ۲۳ مصنفہ کرم سنگھ ہسٹورین) اور موضع ڈیرہ چاہل ضلع لاہور کے باشندے آپ کی پیدائش اپنے گاؤں میں بتاتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ آپ کا نانک اس لئے ہے کہ آپ نانکے گھر یعنی ننھیال میں پیدا ہوئے تھے (گورودھام سنگرہ صفحہ ۲۳ مصنفہ گیان سنگھ) نیز پروفیسر سندر سنگھ نے بعض لوگوں کا خیال بتایا ہے کہ بابا صاحب کا نام "نانک" اسی وجہ سے ہے کہ وہ ننھیال میں ہوئے تھے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۳) ... نی کا ہن سنگھ صاحب نے اپنی ... ۱۳۷۰ھ میں اردو کتاب ... ۲۶ ... تاریخ زدہ لالہ جانکی ... سنگھ و سوہن سنگھ اور

گورودھام سنگرہ صفحہ ۲۳ مصنفہ گیان سنگھ گیانی میں بتایا گیا ہے کہ بابا نانک صاحب کے ننھیال موضع ڈیرہ چاہل میں تھے۔ مجھے اس وقت اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سچا کون ہے صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ ننکانہ صاحب کے بارے میں گورو گرنتھ صاحب میں ارشادات پائے جاتے ہیں جو تلونڈی رائے بھوئے کی صحت کے لئے کافی ہیں۔ انشاء اللہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

نانک نام پنجاب میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہے۔ جنم ساکھی بھائی بالا میں جس کو بابا صاحب کی سوانح عمری کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لکھا ہے کہ جب پنڈت نے آپ کا نام "نانک" تجویز کیا تو آپ کے والد نے یہ کہا کہ چونکہ یہ نام ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہے اس لئے یہ نام نہ رکھا جائے۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ آپ کا نام خالص ہندوانہ نہ ہو۔ اس لئے یہی نام رہنے دیا گیا۔ گیانی گیان سنگھ کا بیان ہے کہ مسلمان بابا صاحب کو نانک شاہ کے نام سے پکارتے تھے (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۲۸) جنم ساکھی بالا میں جناب بابا صاحب کا نام "نانک شاہ ملنگ" لکھا ہے (صفحہ ۲۰۸)

رسم زنار

بابا نانک صاحب کے والد محترم نے ہندو دھرم کے مطابق زنار پہننے کی رسم جسے یگیوپیت سنسکار کہتے ہیں کی ادائیگی ضروری تھی۔ چنانچہ جب بابا صاحب کی عمر بڑی ہوئی تو اس رسم کی ادائیگی کے لئے سامان منگوایا گیا۔ پنڈت جی نے ہون کیا اور آپ کے گلے میں زنار ڈالنے لگا۔ تو آپ نے فرمایا:-

دیا کپاہ سنتوکھ سوت جت گنڈھی ست وٹ
ایہہ جنیؤ جیو کا ہے تاں پانڈے گھت

یعنی محبت کی کپاس اور صبر کا سوت کات کر اس میں راست گوئی کا بل دو۔ اور پرہیزگاری کی گرہ دو یہ حقیقی زنار ہے۔

تعلیم

سکھ مورخین نے بتایا ہے کہ بابا نانک صاحب کو معلم کے پاس تعلیم حاصل کرنے بھیجا لیکن وہ نہ پڑھے ... لیکن گیانی گیان سنگھ نے مسٹر کیننگھم کی تاریخ سکھ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس نے اسلامی تاریخوں کے حوالہ سے بتایا ہے کہ میر سید حسن نے جو ننکانہ صاحب کے علاقہ میں ولی کراماتی صلح کل اور بے لاگ پیر مانا ہوا تھا اور کالو جی کے گھر کے پاس اس کا تکیہ تھا۔ حسن نے اپنا سارا علم دینی اور دنیاوی بابا صاحب کو پڑھایا اور بڑے بڑے بھید راہ حق کے بتائے (حاشیہ تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۸۹)

سچا سودا

آپ بچپن ہی میں خدا تعالےٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اکثر جنگل میں چلے جاتے اور زیادہ وقت خدا کی بھگتی اور گوشہ نشینی میں گذارتے۔ جو کچھ گھر سے ملتا وہ اپنے ہجولیوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ آپ کو ایک دفعہ والد صاحب نے کچھ روپے دے کر کہا۔ کہ بیٹا اس روپیہ کو نفع بخش تجارت میں لگاؤ اور آپ کے ہمراہ بھائی بالا جی کو کر دیا۔ بابا صاحب یہ روپیہ لے کر چوہڑکانہ کے قریب پہنچے۔ تو ایک فقیروں کا گروہ یاد الٰہی میں معروف پایا۔ آپ نے اس روپیہ کی جنس خرید کر ان بھوکے فقیروں کو کھانا کھلا دیا۔ اور کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کون سا سچا سودا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی یادگار میں گوردوارہ قائم ہے جو حکومت پاکستان کے ضلع شیخوپورہ میں واقع ہے۔

عشق الٰہی

آپ کی فقیری طرز کو دیکھ کر لوگوں نے آپ کے والد کو کہا کہ تیرا بیٹا دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس نے آپ کے علاج کے لئے ایک طبیب کو بلایا۔ بابا صاحب نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:-

ویدا بلایا ویدگی پکڑ ڈھنڈولے باہنہ
بھولا ویدنہ جانئی کرک کلیجے ماہنہ

یعنی طبیب کو علاج کے لئے بلایا گیا ہے جس نے دیکھ کر نبض ٹٹولی۔ مگر سادہ لوح طبیب کو کیا خبر ہے کہ کلیجہ میں عشق حقیقی کا درد ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دفعہ خواب میں بابا نانک صاحب کو خدا کی زیارت ہوئی اس پر آپ کہتے ہیں:-

سپنے آیا بھی گیا میں جل بھر بھر روئے
آئے نہ سکا تجھ کن پیارے بھیج نہ سکا کوئے
آؤ سبھاگی نیندڑیئے مت سوہ دیکھا ہوئے
تے صاحب کی بات جے آکھے کہو نانک کیا دیجے
سیس وڈے کر بیسن دیجے ون سر سیو کریجے
(دو ڈہس محلہ ا صفحہ ۵۵۸ گرنتھ صاحب آد)

یعنی وہ خدا خواب میں آ کر چلا بھی گیا۔ میں آنسو بھر رویا۔ آ نہیں سکتا تیری طرف میرے پیارے اور نہ ہی کسی کو بھیج سکتا ہوں۔ اے خوش قسمت نیند تو ہی آ جا ممکن ہے کہ سوتے ہوئے خواب میں ہی خاوند کے دیدار ہو جائیں۔ اگر تمہیں خدا تعالےٰ کی وہ بات کہے تو بتاؤ نانک کیا دو گے اس کو اپنا سیس کاٹ کر بیٹھنے کے لئے دیں گے اور بغیر سر کے اس کی خدمت کریں گے۔ خدا تعالےٰ کی محبت ... کے بارے میں بابا نانک صاحب کے کلام سے سینکڑوں شبد پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مضمون کے لحاظ سے صرف ایک دو شبد ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ آپ کی تعلیم کا خلاصہ ہی توحید باری تعالےٰ ہے آپ کے احوال کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ خدا کی وحدانیت کے عاشق اور متوالے تھے نہایت میٹھے انداز میں اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

صاحب میرا ایکو ہے۔ ایکو ہے بھائی ایکو ہے
یعنی اے بھائی میرا خدا ایک ہی ہے ایک ہی ہے اے بھائی ایک ہی ہے۔

کیا عمدہ طرز تبلیغ ہے۔ کسی پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں کی بلکہ صرف اور صرف اپنا عقیدہ بیان کر دیا کہ میں خدا تعالےٰ کو ایک مانتا ہوں اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر تو چاہے تو ایسا مان لے۔ اور بھائی کہہ کر دوسرے کے اندر محبت کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے

ملازمت

مہتہ کالو جی نے سوچ کر میرا بیٹا جو کام کرتا ہے وہ دنیاوی نقطۂ نگاہ سے نرالا ہوتا ہے بابا صاحب کو آپ کے بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور ریاست کپورتھلہ میں بھیج دیا۔ تا وہ کسی کاروبار میں لگ جائیں۔ وہاں آپ کو جے رام نے سلطان پور کے نواب دولت خاں کے مودی خانہ میں ملازم کرا دیا۔ اور آپ نے اپنے فرائض نہایت دیانتداری سے ادا کئے۔

شادیاں اور اولاد

۱۸ برس کی عمر میں آپ کی پہلی شادی ماتا سلکھنی جی سے ہوئی۔ ماتا سلکھنی جی کا باپ مول چند کھتری بٹالہ کا رہنے والا تھا۔ جنم ساکھیوں کے قلمی نسخوں میں بابا صاحب کی دوسری شادی کا ذکر موجود ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے حیات خاں نامی ایک مسلمان کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ بھگت رتناول مصنفہ بھائی من سنگھ اور پنتھ پرکاش مصنفہ گیانی گیان سنگھ کے علاوہ سردار کرم سنگھ ہسٹورین نے اپنی کتاب کتک کہ بیساکھ میں اس شادی والی روایت کا جنم ساکھیوں میں موجود ہونے کا اقرار کیا ہے۔ نیز پنڈت شردھا رام نے اپنی کتاب سکھاں دے راج دی ... میں بھی اس شادی کا مختصر حال درج کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ مسلمان بیوی سے جو ماتا چھوت کے نام سے مشہور ہوئی۔ دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

پہلی بیوی کے بطن سے دو فرزند ہوئے۔ بڑے کا نام سری چند اور چھوٹے کا نام لکھمی چند تھا۔ سری چند نے شادی نہیں کی لکھمی چند کی اولاد بیدی کہلاتے ہیں۔ جو ڈیرہ بابا نانک وغیرہ میں آباد ہیں۔

تلاش حق

آپ نے تلاش حق کے لئے اپنے

اہل وعیال کو چھوڑ کر اور دنیوی آرام تیاگ کر دور دراز مقامات کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانہ کے سفر موجودہ سفروں سے بالکل مختلف تھے نہ ریل اور نہ کوئی سواری تھی۔ بلکہ کوئی سفر خطرہ سے خالی نہ تھا۔ لیکن بابا صاحب کے سینے میں ایک تڑپ تھی جس کی وجہ سے وہ تلاشِ حق کے لئے باہر نکلے۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس کٹھن سفر کے بارے میں یوں فرمایا ہے:۔

ہوں بھال دکھی ہوئی
اندھیرے راہ نہ کوئی } محلا ا

یعنی میں ڈھونڈھتا ڈھونڈھتا دکھی ہو گیا ہوں اس اندھیرے میں راستہ کوئی نہیں ملتا پھر تا ہے۔ سدھوں نے آپ سے پوچھا۔

کس کارن گرہیہ تجیو اُداسی
کس کارن ایہو بھیکھ نواسی } محلا ا گرنتھ صاحب

یعنی کس لئے گھر بار چھوڑ کر فقیری بانا پہنا ہے۔ آپ جواب میں فرماتے ہیں:۔

گورمکھ کھوجت بھئے اداسی
درشن کے تائیں بھیکھ نواسی
گورو گرنتھ صاحب ص ۹۳۹

یعنی گورمکھ کی تلاش میں یہ اُداس رہنے والا لباس دھارن کیا ہے۔ اور اس کے درشن کے لئے یہ بھیکھ بنایا ہے۔ اور بھائی گورداس جی نے آپ کے سفر کی حالت یوں لکھی ہے:۔

کوڑا ماوس ورتیا ہوں بھالن چڑھیا سنسار
(وار پہلی پوڑی ۲۴)

یعنی جھوٹ رات کی طرح چھایا ہوا ہے میں دنیا اس کی تلاش کے لئے نکلا ہوں۔

ہمارے آقا سیدنا بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام نے جناب بابا صاحب کے اس لمبے سفر کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

پھر آخر کو نکلا وہ دیوانہ وار
نہ دیکھے بیاباں نہ دیکھے پہاڑ
اتارا اپنے مونڈھوں سے دنیا کا بار
طلب میں سفر کر لیا اختیار
جو پوچھا کسی نے چلے ہو کدھر
غرض کیا ہے جس سے کیا یہ سفر
کہا رو کے حق کا طلبگار ہوں
نثار رہِ پاک کرتار ہوں!
محبت کی تھی سینہ میں اک خلش
لئے پھرتی تھی اس کو دل کی تپش
کبھی شرق میں اور کبھی غرب میں
رہا گھومتا قلق اور کرب میں
پرندے بھی آرام کر لیتے ہیں
کہیں بھی یہ کام کر لیتے ہیں
(ست بچن)

عبادت و ریاضت

آپ نے محبت الٰہی کے لئے مسلمان صوفیوں کے مزاروں پر چلّہ کشی کی۔ گیانی گیان سنگھ جی اپنی کتاب تواریخ گورو خالصہ ص ۲۶ میں سرسہ شریف میں خواجہ عبدالشکور صاحب کے مزار کے مسلمان مجاوروں کی روایت درج کی ہے کہ بابا صاحب نے اس جگہ چلّہ کشی کی تھی۔ اور بھائی گورداس جی نے بھی آپ کی چلّہ کشی اور سخت ریاضت کا ذکر یوں کیا ہے:۔

پہلاں بابے پایا بخش دَر پچھوں دے پھر گھال کمائی
ریت اَک آہار کر روڑاں کی گور کری وچھائی
بھاری کری تپسیا بڈے بھاگ ہر سیتوں بن آئی
بابا پیدا سچ کھنڈ نوں ندھ نام غریبی پائی
(وار ۱ پوڑی ۲۴ ص ۱)

یعنی پہلے بابے نے بخشش کے دروازے کو پایا بعد میں محنت کی۔ ریت اور آگ کو کھانا بنایا۔ اور کنکروں پر بستر اجالیا۔ بہت کٹھن تپسیا چلّہ کشی کی قیمت جاگی اور خدا سے بن آئی۔ پھر بابا کو بارگاہِ الٰہی سے پوشاک ملی (ترجمہ گیانی ہزارہ سنگھ صاحب ص ۲۲)

اس ریاضت کے بعد:۔

ہوں ڈھاڈی ویکار کارے لائیا
رات دیہہ کے دھروُ فرمایا
ڈھاڈی سچے محل خصم بلایا
سچی صفت صلاح کپڑا پایا
(گرنتھ صاحب محلا ا)

یعنی میں ڈھاڈی خدا کی حمد گانے والا بیکار تھا۔ اس نے مجھ کو رات دن کام کرنے پر لگا دیا ہے۔ اس ڈھاڈی کو اپنے پاس بلایا اور ایک کپڑا پہنایا جس پر اس کی سچی تعریف لکھی ہوئی تھی۔

معجزہ یا کرامات

آپ کی بات معرفتِ الٰہی سے بھرپور اور خدا تعالیٰ کی محبت سے لبریز تھی۔ چنانچہ سدھوں نے شعبدہ بازی سے کئی ایک کرامتیں دکھائیں اور کہنے لگے چنانچہ بھائی گورداس جی نے لکھا ہے:۔

سدھ بولے سن نانکا توں ہے جگ نوں کرامات دکھائی
کجھ دکھائے اساں نوں بھی توں کیوں ڈھل اجیہی لائی
(وار ا پوڑی ۴۲ ص ۱)

یعنی سدھ کہنے لگے۔ اے نانک تم نے دنیا کو کرامت دکھائی ہے۔ کچھ ہم کو بھی تو دکھلاؤ اتنی دیر کیوں لگائی ہے۔ بابا جی نے جواب میں کہا:۔

بابا بولے ناتھ جی! شبد سنو سچ مکھوں الائی
باجھوں سچے نام دے ہور کرامات اساتھے ناہی
(وار ا پوڑی ۴۳ ص ۱۲)

یعنی بابا جی بولے۔ اے ناتھ جی! میں سچی بات کہتا ہوں ہمارے پاس ایک خدا کے سچے نام کی ہی کرامات ہے اور اس کے بغیر اور کوئی کرامتیں ہمارے پاس نہیں ہیں۔ بابا صاحب کا جواب کیسا صاف اور واضح ہے۔ جوگیوں نے شعبدہ بازی کی لیکن بابا صاحب جو کہ سچے خدا پرست تھے نے صاف کہہ دیا کہ میرے پاس تو خدا کی ہی کرامت ہے۔ خدا تعالیٰ کا نام ہی ہے جس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"آکھاں جیواں وسرے مر جاں [illegible]"

بابا صاحب کا جو مسیحک [illegible] عبادت میں بھی سچی ہے کہ خدا کے نام کے بغیر اور کوئی کرامت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

بلہاری گور اپنے دیہاڑی سد وار
جن مانس تے دیوتے کیئے کرت نہ لاگی وار
(آسا محلا ا ص ۲۶۳ گرنتھ صاحب آد)

یعنی میں اپنے گورو پر دن میں سو سو بار قربان جاؤں جس نے انسان سے دیوتا بنا دیا اور ذرا بھر دیر نہ لگی۔ یہی سچے نام کا معجزہ ہے۔ جس سے انسان دیوتا بن جاتے ہیں۔ اور نہ ہی اس معجزہ کی موجودگی میں کسی اور معجزہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

آپ کی دعا

دعائیں تو بہت ہیں جن کو اس مختصر مضمون میں درج کرنا مشکل ہے۔ صرف ایک دعا لکھتا ہوں جس سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ جناب بابا صاحب کے اندر کس قدر خدا تعالیٰ کی محبت اور تڑپ تھی گورو گرنتھ صاحب میں بھگت کبیر صاحب کی دعا بھی مرقوم ہے۔ جس میں دو سیر آٹا اور پاؤ گھی۔ چارپائی۔ لحاف۔ سرہانہ۔ تلائی۔ نمک۔ دال کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور بھگت دھنا جی کی دعا بھی لکھی ہوئی ہے۔ جس میں اناج۔ گھوڑی۔ جوتی اور اچھی بیوی کے لئے آرزو کی گئی ہے۔ خیر یہ کوئی تو ہین آمیز بات نہیں کہ بندہ اپنے مالک سے اپنی ضروریں پوری کرنے کی خواہش کرے لیکن ہو [illegible]

میں بابا نانک صاحب نے سب سے اوپر [illegible] ملا ہے۔ آپ دست بستہ عرض کرتے ہوئے خدا تعالیٰ سے مانگتے ہیں:۔

"کرتا تو میرا اجمان۔
اک دکھنا ہوں تے پہ مانگو دیہہ اپنا نام
(بربھاتی محلا ا ص ۱۳۲۹ گرنتھ صاحب آد)

یعنی اے میرے خالق تو میرا داتا ہے۔ ایک دان خیرات میں تجھ سے مانگتا ہوں اپنا نام مجھے عطا کر۔

اس کے آگے بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ جس کی مضمون کے لحاظ سے اس جگہ درج کرنے کی گنجائش نہیں۔ یہ ہے خدا تعالیٰ سے پیار کا نمونہ جو پیارے نانک نے پیش کیا۔ اسی مضمون کو ہمارے آقا حضرت احمد قادیانی نے بھی بڑی عمدگی سے ادا فرمایا ہے ۔

در دو عالم مرا عزیز توئی
و آنچہ می خواہم از تو نیز توئی

یعنی اے خدا دونوں جہانوں میں تو ہی میرا پیارا ہے اور تجھ سے تجھی کو ہی چاہتا ہوں۔

چھتیس ۳۶ سال قادیان میں بقیہ صفحہ نمبر ۲ کالم نمبر ۴

بقیہ صفحہ نمبر ۲ کالم نمبر ۴

احمدیت سے انس میرے دل میں بچپن سے ہی تھا۔ جو مرزا محمد اشرف صاحب رضی اللہ عنہ کے بھائی مرزا محمد افضل صاحب مرحوم کی صحبت کا اثر تھا۔ وہاں میری عمر اور طفلیت کے پیش نظر چھوٹی چھوٹی باتیں مجھے سناتے رہتے۔ جماعت کے حالات بتاتے۔ اور جب وہ اور میاں خلیل الرحمن صاحب (جو ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ بڑے مخلص احمدی اور آخر ہجرت کر کے قادیان چلے گئے۔ وہاں اپنا مکان بنا لیا۔ اور وہیں فوت ہو کر مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئے) آپس میں احمدیت۔ جماعت احمدیہ اور قادیان کے متعلق والہانہ گفتگو کرتے۔ تو مجھے رشک آتا۔ اور جماعت احمدیہ کی محبت میرے دل میں چٹکیاں لینے لگتی۔ اور جب خدا تعالیٰ نے چھوٹی سی عمر میں باوجود حالات کی سخت ناموافقت کے میرے لئے قادیان جانے اور وہاں رہنے کی کچھ نہ کچھ صورت پیدا کر دی۔ تو میں نے اسے اپنی انتہائی خوش قسمتی سمجھا۔ لیکن باوجود اس کے میری خواہش تھی۔ کہ احمدیت کے مسائل سمجھ کر اور دوسروں کو سمجھانے کی قابلیت پیدا کر کے بیعت کروں گا۔

جب پہلی دفعہ قادیان پہنچا۔ تو مجھے خوب یاد ہے۔ کہ میں کچھ مبہوت سا تھا۔ ایک تو چھوٹی عمر کی وجہ سے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ میں ایک ایسے گاؤں سے اٹھ کر گیا تھا۔ جو شہری ماحول سے دور بالکل سادہ دیہاتی زندگی رکھتا تھا۔ تیسرے اس لئے کہ عام [illegible] کے متعلق عجیب و غریب قصے سنے ہوئے تھے۔ ان حالات میں پہلے پہل بھی عجیب و غریب باتیں دیکھنے کا خواہش مند تھا [illegible] جس سے مجھے کوئی ایسی بات معلوم نہ ہوئی۔ اس کی بجائے مجھے جو کچھ نظر آیا یہ تھا کہ چھوٹے بڑے سب [illegible] پڑھائی میں مصروف نظر آتے۔ مسجدوں میں مدرسوں میں۔ گھروں۔ دکانوں میں قرآن کریم ہی کثرت سے پڑھا اور پڑھایا جاتا۔ آپس میں بڑی محبت اور پیار کا برتاؤ کیا جاتا۔ چھوٹے نہایت مؤدب نظر آتے اور بڑے نہایت شفقت کا سلوک کرتے۔ اعلیٰ ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ اور حضرت خلیفہ وقت کے دربار میں ہر شخص جہاں جگہ ہوتی آزادی سے بیٹھ سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا۔ کہ ساری احمدیہ آبادی ہی ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانہ کے لوگ آباد ہیں۔ جو آپس میں ایسا قریبی اور ایسا گہرا تعلق رکھتے ہیں کہ کسی ایک ہی گھرانہ کے لوگوں میں بھی میرے دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

میں جو بالکل نووارد اور دیہاتی رنگ ڈھنگ رکھتا تھا کسی سے کوئی تعارف نہ رکھتا تھا۔ نہ کوئی بیاہ عزیز یا زرگ سلسلہ کی کسی خدمت پر مامور تھا کہ اس کی وجہ سے میں کسی ہمدردی اور نوازش جذب کر سکتا۔ نہ مجھ میں کوئی ذاتی خوبی تھی۔ پھر بھلا تو مجھے ایسے ماحول میں بات کرنے کا سلیقہ ہی نہ تھا۔ دوسرے میں صحن کم گو اور کم سخن تھا کسی سے دوستی پیدا کرنا اور اپنا ہمدرد بنانا مجھے نہ آتا تھا مگر باوجود ان حالات کے بہت سے اصحاب کو اپنے لئے ہمدرد اور مہربان پایا اور جوں جوں وقت گزرتا گیا میرے محسنوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اور یہ ایسے محسن تھے۔ جو قادیان میں تھا دفاراد شواہمیت [illegible] اور سلسلہ کے کارکن اور خدمت گذار تھے۔

سیدۃ النساء حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا

از محترم شیخ عبد الحمید صاحب اڈیٹر - لاہور

محترم شیخ صاحب کا ایک نہایت قیمتی اور ایمان افروز مضمون حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق الفضل ... میں شائع ہو چکا ہے - اب آپ نے مہربانی فرما کر ذیل کا نہایت عمدہ مضمون جو حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ پر مبنی ہے - بدر کے لئے ارسال فرمایا ہے - جو شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے - جزاھم اللہ احسن الجزاء - .... ایڈیٹر -

۱ - حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت اور اخلاق فاضلہ کے متعلق میرا ایک مضمون اخبار الفضل لاہور مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء میں شائع ہو چکا ہے - جو مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی ناظر امور عامہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بہت پسند آیا - انہوں نے مجھ سے فرمائش کی - کہ اخبار "بدر" قادیان کے لئے بھی میں کچھ لکھوں - جو واقعات مجھے یاد تھے - وہ تو میں پہلے لکھ چکا ہوں - جو الفضل میں شائع ہو چکے ہیں - مگر مولوی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں چند اور باتیں مجھے یاد آئی ہیں - یا میری بیوی نے بتائی ہیں - وہ عرض کرتا ہوں -

۲ - ان سب مضامین میں جو اب تک الفضل میں شائع ہو چکے ہیں - ان میں حضرت اماں جان رض کی سیرت کا یہ پہلو نمایاں ہے - کہ جن سے بھی ان کا ملنا جلنا تھا - ان سب سے آپ بڑی محبت سے ملتی تھیں بلا تکلف ان کے گھروں میں تشریف لے جاتی تھیں - اور ہر ایک کی خوشی غمی میں شریک ہو کر ان کی عزت افزائی فرماتی تھیں - اللہ تعالیٰ نے ان کو جو رتبہ اور عزت بخشی تھی - اسکی وجہ سے ان کا کسی خادم کے گھر تشریف لے جانا - یا اس کے گھر قیام فرمانا اس خادم کے لئے بڑے فخر اور خوشی کا باعث تھا -

۳ - حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں جو آپکی عزت تھی - اور آپ کا جو مقام حضور سمجھتے تھے - ذیل کے واقعہ سے عیاں ہے - حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد جو پہلا جلسہ سالانہ قادیان میں ہوا - تو حسب معمول مختلف شہروں اور دیہاتوں سے احمدی شرکت جلسہ کے لئے قادیان آئے - جب یہ ... حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتے - تو حضور نے ان سے دریافت فرمایا - کہ کیا وہ بیوی جی (یعنی حضرت ام المؤمنین) کے ہاں گئے ہیں جواب نفی میں پا کر حضور نے رنج کا اظہار فرمایا اور فرمایا پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہو اور پھر میرے پاس آؤ -

۴ - ایک مرتبہ میں نے حضرت اماں جان رض کی دعوت کی - جب کہ آپ صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب ایم - اے پی - سی - ایس (حال ناظر اعلیٰ) کے ہاں ٹھہری ہوئی تھیں حضرت اماں جان رض اور بیگم صاحبہ مرزا عزیز احمد صاحب جب میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں - تو آتے ہی فرمایا کہ نذیر کو بہت بھوک لگ رہی ہے - کھانا تیار ہو تو اس کو پہلے بھیج دیا جائے - میری بیوی نے عرض کیا ابھی تھوڑی دیر ہے - جب کھانا تیار ہونے کی اطلاع دی گئی - تو آپ باورچی خانہ میں تشریف لے گئیں - اور پیڑھی پر بیٹھ کر نذیر کے لئے خود کھانا نکالا - اور ایک ٹرے میں رکھکر فرمایا - کہ یہ نذیر کو بھجوا دیں - اس کے بعد آپ اُٹھ کھڑی ہوئیں - اور میری بیوی کو فرمایا - کہ اب تم برتاؤ - نذیر احمد - حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا موٹر ڈرائیور ہے - اسی نے ہی حضرت اماں جان رض کو موٹر میں لایا تھا -

۵ - میری بیوی زردہ کی خوشبودار گولیاں پان میں کھایا کرتی ہیں - جو میں دہلی سے لایا کرتا تھا - اس کے لئے چاندی کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ بھی لایا ہوا تھا - اس دعوت میں جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں - میری بیوی نے وہ چاندی کی ڈبیہ پیش کرتے ہوئے کہا - کہ آپ گولیاں تو کھاتی نہیں - میں یہ نکال لیتی ہوں - آپ ڈبیہ لے لیں - آپ نے ہنستے ہوئے فرمایا - کیا مجھے اس میں برائی ہے - اور فرمایا میں بھی کھاتی ہوں اور خاندان کی دیگر مستورات کا نام لیا - کہ وہ سب کھاتی ہیں - میری بیوی سے ڈبیہ لیکر اپنی ڈبیہ دے دی - جو افسوس ہے کہ گھر کے دوسرے سامان کے ساتھ قادیان رہ گئی - جب مجھے یہ علم ہوا - کہ آپ خوشبودار گولیاں زردہ کی پسند کرتی ہیں - تو پھر میں جب بھی دہلی جاتا (مجھے ہر ماہ ایک دفعہ تو ڈیوٹی پر دہلی ضرور جانا پڑتا تھا) تو حضرت اماں جان رض کے لئے دیسی پان اور گولیاں زردہ ضرور لایا کرتا تھا - یہ سلسلہ تقسیم ہند تک جاری رہا -

۶ - کئی خوش قسمت عورتوں کو حضرت اماں جان رض کی ذاتی خدمت کا موقعہ ملا - ان میں سے ایک مسماۃ سردار تھی - جو بہت خدمت کیا کرتی تھی - وہ فوت ہو گئی - اس کا حضرت اماں جان رض کو بہت صدمہ ہوا - اسکی وفات کے چند دن بعد جب میری بیوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی - تو میری بیوی نے پوچھا اماں جان - سردار کو کیا ہوا تھا - فرمایا - اس کا ذکر نہ کرو - مجھے اس کا بڑا رنج ہے - زیادہ اصرار کرو گی تو میں اسکی جگہ تم کو رکھونگی - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ اخلاص سے کام کرنیوالوں کی آپ کیسی قدر کرتی تھیں -

۷ - میں مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء میں شرکت کے لئے قادیان گیا ہوا تھا - کہ ۸ اپریل ۱۹۲۷ء کو میری پیاری بیٹی مبارکہ بیگم لاہور میں فوت ہو گئی - میں لاہور آیا اور دوسرے روز جنازہ لیکر قادیان پہنچا - جنازہ مہمان خانہ میں رکھا - حضرت ام المؤمنین رض سب سے پہلے جنازہ کے پاس پہنچیں اور بہت افسوس کا اظہار کیا - یہ آپ کا خاص کیریکٹر تھا کہ ہر خادم کی نہ صرف خوشی میں - بلکہ غمی میں بھی شرکت فرما کر اپنی ہمدردی کا ثبوت دیتی تھیں - یہی وجہ ہے - کہ ہر زن و مرد - بچہ اور بوڑھا ان سے دلی محبت کرتا ہے -

۸ - عزیزم عبد الباری کا پہلا نکاح قادیان میں ہوا تھا - نکاح کے بعد حضرت اماں جان نے عبد الباری کو بلایا - وہ اس وقت مسجد مبارک میں نماز مغرب پڑھ رہا تھا - جب وہ حاضر خدمت ہوا - تو آپ نے اس کے منہ میں مصری کی ڈلی ڈالی اور بہت دعائیں دیں - آپ کی طبیعت میں مزاح بھی تھا - میری بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا - تم سے - تمہارے میاں سے - تمہارے بچوں سے مجھے بڑی محبت ہے - اس لئے میں تمہارے لڑکے کے سامنے ہو گئی ہوں - اب تم یہ نہ کہنا - کہ میرے دامادوں کے سامنے بھی ہو جاؤ - حقیقت یہ ہے - کہ میرے سارے بچے آپ کے سامنے پیدا ہوئے - پلے اور بڑھے -

۹ - یہ میری خوش قسمتی تھی - کہ حضرت اماں جان رض جب لاہور تشریف لاتیں - تو اکثر میرے ہاں قیام فرماتیں - جب واپس جانا ہوتا تو مجھے امرتسر تک چلنے کا ارشاد - ایک مرتبہ آپ نے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے ہاں جانا تھا - جو اس وقت ڈلہوزی میں تھے - فرمایا کہ میر صاحب کے ہاں مجھے چھوڑ آؤ - ہم ان کو ملنے کا ... پہنچے - مجھے صبح ہی چار بجے کی گاڑی سے واپس لاہور آنا تھا - آپ نے رات ہی فرما دیا - کہ صبح ناشتہ کر کے جانا - اور صبح مجھے ناشتہ بھجوا بھی دیا -

۱۰ - حضرت اماں جان رض کی طبیعت میں جہاں بڑی صفائی اور نفاست تھی - وہاں سادگی بھی بہت تھی - میرے ہاں جب کبھی ٹھہرنے کا اتفاق ہوتا - تو بالکل ایسی رہتیں - جیسے گھر کا کوئی اپنا آدمی - کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں - جو کھانا بھی آگے رکھا جاتا - اسکی بڑی تعریف کرتیں - اور بڑے شوق سے کھاتیں - ان کے لئے دو کمروں میں پلنگ پر بستر وغیرہ کر دیا جاتا - اور آگے ایک چھوٹی میز جس پر پاندان رکھا رہتا تھا - نیچے قالین کا فرش اور گاؤ تکیہ بھی رہتا تھا - تا آپ جہاں پسند فرمائیں آرام کریں - مگر ایک دن جبکہ میری بیوی اور لڑکیاں گھر کے کام میں لگی ہوئی تھیں - آپ برآمدہ میں پڑی ہوئی ایک کھری چارپائی پر لیٹ رہیں - اور وہیں آنکھ لگ گئی یہ انتہائی سادگی تھی -

۱۱ - جب میری بیوی سے بہت خوش ہوتیں - اور وہ کہتیں اماں جان - تو آپ فرماتیں ہاں جان اماں - یہ تو آپ نے کئی مرتبہ فرمایا - کہ مجھے بابو صاحب سے بڑی محبت ہے - تم سے اور تمہارے بچوں سے بڑی محبت ہے - تمہارا گھر مجھے جنت نظر آتا ہے - اور ہمیشہ دعا کرتی ہوں - کہ یہ جنت ہی رہے - میری بیوی نے ایک دفعہ یہ خواب سنایا - کہ آپ - بڑی بیگم صاحبہ - چھوٹی بیگم صاحبہ میرے ہاں آئی ہیں - حضرت اماں جان نے فرمایا - کہ یہ بہت اچھا خواب ہے - میرا نام نصرت ہے - اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہوگی - مبارکہ کے نام سے برکت ہے - اور حفیظ دیکھنے کا مطلب یہ ہے - کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کریگا -

۱۲ - ایک دفعہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ - حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ دیگر ان لاہور تشریف لائے - حضرت اماں جان بھی ان کے ساتھ تشریف لائیں - حضرت نواب صاحب رض نے مزنگ کے قریب ایسی جگہ کوٹھی لی تھی - جہاں سے قبرستان نظر آتا تھا - آپ وہاں تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد میرے ہاں تشریف لے آئیں - فرمانے لگیں قبرستان دیکھکر میرا دل گھبرانے لگا - میں نے مبارکہ سے کہا کہ مجھے تو بابو عبد الحمید کے گھر پہنچا دو - چنانچہ آپ میرے ہاں تشریف لے آئیں - اور چند یوم قیام فرمایا -

حضرت اماں جان رض کا جس قدر بڑا کنبہ ہے - اس میں کسی نہ کسی سے ایسی حرکت کا سرزد ہو جانا ناممکن نہیں - جو ان کے لئے باعث تکلیف ہو - مگر آپ نے کبھی کسی کی اشارۃً کنایۃً بھی شکایت نہیں کی - میرے ہاں دوران قیام میں کبھی یہ نہیں ہوا - کہ کبھی کسی سے ترش روئی سے بات کی ہو - یا کسی لڑکے لڑکی کو اسکی کسی حرکت پر ٹوکا ہو - بلکہ ہر بچے سے بڑی محبت اور پیار سے بات کرتیں - اور سب کے لئے دعائیں کرتیں -

حضرت اماں جان کے وصال سے جماعت میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے - جسکی وجہ سے ساری جماعت کو عموماً اور آپ کے ملنے والوں کو خصوصاً سخت قلبی رنج ہے - اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بہت بہت بلند کرے - آمین

۱۳ - آخری خدمت - عزیزم عبد الباری ناظر بیت المال (حال محاسب) کو آخری خدمت کا اچھا موقعہ مل گیا - مکرم مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ نے بتایا - کہ اس نے برف کا ڈھیر لگا دیا - اس قدر برف آجانے کی وجہ سے نعش بالکل ٹھیک رہی - میری بیوی کو رات بھر میت کے پاس رہنے - اور حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیشانی پر بوسہ دینے کا موقعہ مل گیا - اور مجھے جنازہ کو کندھا دینا نصیب ہو گیا -

انا للہ وانا الیہ راجعون

۳۱ مئی سنہ ۱۹۵۲ء تک اپنے وعدہ جات سو فیصدی ادا کرنیوالے مجاہدین

تحریک جدید دفتر اول سال ۱۸ اور دفتر دوم سال ۸ کے جن مجاہدین کے وعدہ جات تحریک جدید ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۵۲ء تک، سو فیصدی ادا ہو چکے ہیں۔ ان دوستوں کے نام سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت بابرکت میں بغرض دعا پیش کئے گئے۔ حضور نے بعد ملاحظہ فرمایا "اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے"۔

اب ۳۱ مئی سنہ ۱۹۵۲ء تک جن مجاہدین نے اپنے وعدہ جات تحریک جدید سو فیصدی ادا کر دئے ہیں۔ ان کے نام بھی حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرض دعا پیش کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب دوستوں کی قربانی قبول فرمائے۔ آمین۔ تحریک جدید کے موجودہ مالی سال کا ساتواں مہینہ گذر رہا ہے۔ مگر وصولی چندہ کی رفتار بہت غیر تسلی بخش ہے۔ بیشک اکثر دوستوں نے سال کے آخر پر اپنے وعدہ جات کی ادائیگی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ لیکن سلسلہ کی بڑھتی ہوئی مالی مشکلات اس امر کی مقتضی ہیں۔ کہ مجاہدین اپنے وعدہ جات جلد ادا کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔ ۳۱ اگست سنہ ۱۹۵۲ء کو سو فیصدی وعدہ جات ادا کرنے والے مخلصین کی تیسری فہرست حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں پیش کی جائیگی۔ امید ہے کہ جملہ احباب جماعت کوشش کر کے اس میعاد کے اندر اندر اپنے وعدہ جات کی سو فیصدی ادائیگی کر کے عند اللہ ماجور ہوں گے۔

(وکیل المال تحریک جدید قادیان)

عید مبارک

احباب جماعت کی خدمت میں عید مبارک پیش ہے۔ اس مبارک تقریب پر جہاں اور کئی قسم کے اخراجات کئے جاتے ہیں۔ وہاں "بدر" کے لئے دست تعاون دراز فرمانے کی درخواست ہے۔ خدا تعالیٰ احباب کو اسکی توفیق عطا فرمادے۔ آمین (منیجر)

ہر صاحب استطاعت احمدی کا فرض ہے کہ وہ "بدر" خود خرید کر پڑھے۔

دفتر اول سال ۱۸

پائی - آنہ - روپے

۱۔ مکرم قریشی عطاء الرحمٰن صاحب معاون ناظر بیت المال درویش قادیان = ۰ - ۱ - ۶

۲۔ اہلیہ صاحبہ " " " " " = ۰ - ۱ - ۶

۳۔ مکرم مولوی محمد اسحٰق صاحب " " = ۰ - ۰ - ۲۸

۴۔ مکرم مرزا ظہیر الدین منور احمد صاحب اکاؤنٹنٹ بیت المال = ۰ - ۰ - ۲۱

۵۔ مکرم مستری محمد حسین صاحب درویش قادیان = ۰ - ۰ - ۳۰

۶۔ مکرم دفعدار محمد عبد اللہ صاحب " " = ۰ - ۸ - ۷

۷۔ مکرم سید ظفر احمد صاحب معاون ناظر اعلیٰ قادیان = ۰ - ۰ - ۷۴

۸۔ محترمہ ریحانہ بنت ظریف صاحبہ اہلیہ سید ظفر احمد صاحب معاون ناظر اعلیٰ = ۰ - ۰ - ۳۰

۹۔ سلمہ بنت سید ظفر احمد صاحب معاون ناظر اعلیٰ قادیان = ۰ - ۰ - ۱

۱۰۔ نجمہ " " " " = ۰ - ۰ - ۱ } ۲/۱

۱۱۔ عشرت خاتون صاحبہ مرحومہ اہلیہ شیخ مدد علی صاحب ساہیجانپوری حال قادیان = ۰ - ۴ - ۲۰۲ سال ۱ تا ۱۹

مرحومہ اپنی زندگی میں ہی دس سال کا چندہ ادا کر چکی تھیں۔ بوقت وفات انہوں نے خواہش ظاہر کی۔ کہ کاش میں انیس ۱۹ سال تک تحریک جدید میں شامل ہوتی۔ چنانچہ ان کے خاوند مکرم شیخ مدد علی صاحب نے مرحومہ کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے نہ صرف بقیہ ۹ سال کا ہی نہیں۔ بلکہ پہلے دس سال کا دوبارہ چندہ ادا کر کے پورے ۱۹ سال کا چندہ ادا کر دیا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ یہ قربانی قبول فرمائے۔ اور مرحومہ کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

۱۲۔ سید محمد حسین صاحب مرحوم برادر سید ظفر احمد صاحب معاون ناظر اعلیٰ قادیان = ۰ - ۰ - ۱۲

۱۳۔ حضرت منشی محمد الدین صاحب مرحوم اہم سابق درویش قادیان = ۰ - ۰ - ۲۸

۱۴۔ اہلیہ صاحبہ " " " " = ۰ - ۲ - ۲۰

۱۵۔ والدین " " " = ۰ - ۱۴ - ۱۰

۱۶۔ مکرم حاجی فضل محمد صاحب درویش قادیان = ۰ - ۱۲ - ۵

۱۷۔ مکرم حافظ صدر دین صاحب " " = ۰ - ۸ - ۹

۱۸۔ مکرم عبد القادر صاحب اعوان " = ۰ - ۱۲ - ۹

۱۹۔ مکرم چوہدری محمد طفیل صاحب درویش قادیان = ۰ - ۱۰ - ۵۶

۲۰۔ مکرم مولوی عبد الحمید صاحب " " = ۰ - ۰ - ۱۸

۲۱۔ مکرم حکیم سراج الدین صاحب مبلغ خانپور ملکی بہار = ۰ - ۰ - ۸

۲۲۔ مکرم ڈاکٹر عطر دین صاحب درویش قادیان = ۰ - ۱ - ۵

۲۳۔ محترمہ مبارکہ بیگم صاحبہ اہلیہ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب درویش " بینا = ۰ - ۰ - ۳۰

۲۴۔ مکرم مستری ہدایت اللہ صاحب " " = ۰ - ۰ - ۲۰

۲۵۔ مکرم سید یعقوب الرحمٰن صاحب جماعت احمدیہ سونگھڑہ = ۰ - ۰ - ۲۱

۲۶۔ محترمہ اہلیہ صاحبہ " " " = ۰ - ۰ - ۱۰

۲۷۔ محترمہ زیتون بی بی صاحبہ جماعت احمدیہ سونگھڑہ = ۰ - ۰ - ۱۰

۲۸۔ مکرم محمود حسین صاحب کمپونڈر جماعت احمدیہ دہلی = ۰ - ۰ - ۲۴

۲۹۔ محترمہ حمیدہ خاتون صاحبہ جنگل پور = ۰ - ۸ - ۵

۳۰۔ مکرم عبد المجید صاحب جمشید پور = ۰ - ۰ - ۳۴

۳۱۔ مکرم مولوی عبد الحکیم صاحب سونگھڑہ = ۰ - ۰ - ۶

۳۲۔ مکرم سید ضیاء الدین صاحب " = ۰ - ۲ - ۵

۳۳۔ مکرم مولوی شیخ غلام احمد صاحب " = ۰ - ۰ - ۵

۳۴۔ مکرم کالے خان صاحب جماعت احمدیہ سری پار = ۰ - ۰ - ۴۰

۳۵۔ محترمہ سعید النساء بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم حیدر علی صاحب حیدرآباد = ۰ - ۰ - ۱۴

۳۶۔ مکرم حافظ ملک محمد صاحب جماعت احمدیہ " = ۰ - ۰ - ۵

۳۷۔ محترمہ اہلیہ صاحبہ سید مصطفےٰ احسین صاحب " = ۰ - ۲ - ۳۴

۳۸۔ فرزند " " " = ۰ - ۰ - ۳۰

۳۹۔ مکرم عبد الرشید خان صاحب جماعت احمدیہ " = ۰ - ۰ - ۵

۴۰۔ مکرم میاں شریف احمد صاحب بانی کلکتہ = ۰ - ۰ - ۴۰

۴۱۔ مکرم مولوی عبد اللہ صاحب مبلغ مالابار = ۰ - ۰ - ۸۲

۴۲۔ مکرم محمود احمد صاحب عارف واقف زندگی قادیان = ۰ - ۰ - ۱۲

۴۳۔ محترمہ اہلیہ صاحبہ بھائی الہ دین صاحب شاہدرہ حال قادیان = ۰ - ۴ - ۷

۴۴۔ مکرم مرزا محمد زمان صاحب کارکن لنگر خانہ قادیان = ۰ - ۰ - ۶۰

میزان کل = ۰ - ۴ - ۱۲۹۴ روپے

دفتر دوم سال ۸

۴۵۔ مکرم شاہ محمد صاحب گجراتی درویش قادیان = ۰ - ۸ - ۷۷

۴۶۔ مکرم قاضی عبد الحمید صاحب " " = ۰ - ۸ - ۶

۴۷۔ مکرم مرزا عبد اللطیف صاحب " " = ۰ - ۱۰ - ۲۳

۴۸۔ مکرم شیخ محمود احمد صاحب لیناوری " = ۰ - ۰ - ۷

۴۹۔ محترمہ کنیزہ بیگم اہلیہ چوہدری منور علی صاحب " = ۰ - ۸ - ۵

۵۰۔ مکرم بابا عطاء محمد صاحب درویش قادیان = ۰ - ۷ - ۵

۵۱۔ مکرم میاں اللہ بخش صاحب " " = ۰ - ۳ - ۱۰

۵۲۔ مکرم شیخ عبد الحمید صاحب عاجز ناظر بیت المال قادیان = ۰ - ۰ - ۵۰

۵۳۔ محترمہ سلیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ " " " = ۰ - ۲ - ۵ } ۲/۱

۵۴۔ مکرم محمد صادق صاحب نفی درویش قادیان = ۰ - ۹ - ۵

۵۵۔ مکرم مولوی عبد الحمید صاحب مبلغ " " = ۰ - ۸ - ۱۰

۵۶۔ مکرم محمد یوسف صاحب گجراتی " " = ۰ - ۳ - ۲۸

۵۷۔ مکرم صوفی نذیر دین صاحب " " = ۰ - ۳ - ۲۲ (باقی)

کھہریا و مودہا ضلع ہمیرپور (یوپی) میں تبلیغی جلسے

پچھلے سال ضلع ہمیرپور کی احمدی جماعتوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ اس وسیع علاقہ میں اسلام اور احمدیت کا نام پھیلانے کے لئے تبلیغی جلسے کئے جائیں۔ چنانچہ جلسوں کا پروگرام مرتب کر لیا گیا۔ اور مختلف جگہوں پر جلسوں کے انعقاد کی تیاری شروع کر دی گئی۔ لیکن مقررہ تاریخوں سے کچھ دن قبل راٹھ ضلع ہمیرپور کے غیر احمدیوں نے ان جلسوں کے انعقاد کو اچھا نہ سمجھتے ہوئے مخالفت کا عظیم الشان طوفان کھڑا کر دیا۔ اور یہ طوفانِ مخالفت یہاں تک بڑھا۔ کہ دفعہ ۱۰۷ کے ماتحت راٹھ کی جماعت کے قریباً تمام بالغ افراد پر مقدمہ قائم کروا دیا گیا۔ اور خاص قصبہ راٹھ میں اے۔ ڈی۔ ایم صاحب ضلع ہمیرپور کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر کے ہر قسم کے جلسوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ جس کی وجہ سے مجبوراً ہمیں جلسوں کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔

امسال جماعت کے احباب نے پھر فیصلہ کیا۔ کہ تبلیغی جلسوں کا پروگرام شروع کیا جائے۔ چنانچہ کھہریا ضلع ہمیرپور کے ایک احمدی دوست مکرم محمد حنیف صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی۔ کہ وہ اپنے بچوں کے عقیقے وغیرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس موقعہ پر دیگر جگہوں کے احمدی احباب اور مبلغین تشریف لے آویں۔ تو اس موقعہ سے تبلیغ کا فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ اسکی اطلاع رئیس التبلیغ یوپی مکرم مولوی بشیر احمد صاحب مبلغ کو دی گئی۔ اور انہوں نے جلسہ کی منظوری دیتے ہوئے جلسہ میں شمولیت کا وعدہ کیا۔

مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء کو کھہریا میں جلسہ منعقد کیا گیا جس میں راٹھ۔ سکرا۔ مودہا کے احمدی احباب نے شرکت کی۔ جلسہ شروع ہونے سے قبل تمام موضع میں اعلان کیا گیا۔ جلسہ کی کارروائی ۹ بجے زیر صدارت ستار محمد صاحب شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن مجید ایک احمدی بچے حافظ عباد اللہ صاحب نے کی۔ حافظ صاحب ان دنوں قرآن حفظ کر رہے ہیں۔ ان کی تلاوت کو سن کر ایک احمدی دوست نے انہیں مبلغ دو روپے انعام عطا کیا تلاوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پڑھی گئی۔ بعدہٗ مکرم مولوی غلام نبی صاحب مبلغ ضلع ہمیرپور نے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تقریر کی۔ جس میں آپ نے زمانہ کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا۔ کہ حضرت صاحب کا دعویٰ عین موقعہ پر تھا اور آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم الشان کارناموں پر بھی روشنی ڈالی۔

ان کے بعد عبد الکریم صاحب سکرا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ نہایت عمدہ رنگ میں حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ اس کے بعد مکرم مولوی بشیر احمد صاحب رئیس التبلیغ یوپی نے ڈیڑھ گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ جس میں آپ نے شروع میں ان غلط خیالات کی تردید کی جو جماعت احمدیہ کے متعلق غیر احمدی احباب میں مشہور ہیں۔ مثلاً یہ کہ احمدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہیں کرتے۔ ان کا قرآن مجید پر کامل ایمان نہیں جو رسول کریم صلعم پر نازل ہوا۔ ان کا قبلہ۔ کلمہ اور نماز علیحدہ ہے۔ ان تمام امور کی تردید میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منظوم و منثور کلام سے حوالے پیش کرتے ہوئے بتایا۔ کہ یہ جماعت احمدیہ پر اتہامات ہیں۔ اور علماء نے محض اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اس قسم کی غلط باتیں احمدیوں کے متعلق مشہور کر رکھی ہیں۔ ان غلط اتہامات کی تردید کے بعد آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرتے ہوئے آپؐ کی زندگی کے چیدہ چیدہ حالات بیان کئے اور بتایا۔ کہ اگر آج بھی مسلمان اس رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیں تو ان کی یہ ذلت عزت کے ساتھ تبدیل ہو سکتی ہے۔ جلسہ کا پروگرام رات کے ساڑھے بارہ بجے ختم ہوا۔ اور خلاف توقع یہ جلسہ کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ جلسہ میں آلہ نشر الصوت کا انتظام تھا۔ جس کے ذریعہ قریباً سارے گاؤں آواز پہنچ رہی تھی۔ یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ کھہریا میں صرف ایک ہی احمدی دوست ہیں۔ اور ہمارے کانوں میں یہ خبریں آ رہی تھیں کہ موضع میں جلسہ نہیں ہونے دیا جائیگا۔ لیکن خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت جلسہ منعقد ہوا اور اسکی جملہ کارروائی نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ہوئی۔ اور وہ لوگ جو مخالفت بغض۔ حسد کے پیش نظر جلسہ میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے قریب کی مسجد اور بعض اور مقامات میں بیٹھ کر جلسہ کی کارروائی کو سنا۔ احباب سے درخواست ہے۔ کہ دعا فرماویں۔ کہ اللہ تعالیٰ اس جلسہ کے نیک نتائج برآمد فرمائے۔ آمین۔

دوسرے دن مورخہ ۲۳ مئی کو قصبہ مودہا میں جلسہ کیا گیا۔ یہ جلسہ مودہا کی گھاس منڈی کے میدان میں جناب چیئرمین جناب میونسپلٹی مودہا مکرمی گپتا جی کی صدارت میں ہوا۔ اس جلسہ میں تلاوت و نظم کے بعد مکرم مولوی غلام نبی صاحب نے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تقریر فرمائی۔ بعدہٗ عبد الکریم صاحب نے مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا۔ کہ مسلمانوں کی تباہی صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے تلے آنے سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد مکرم مولوی بشیر احمد صاحب نے موعود اقوام عالم پر ایک گھنٹہ تقریر فرمائی۔ جس میں آپ نے جملہ مذاہب کی کتب سے ہندی، سنسکرت و عربی کے حوالہ جات پیش کرتے ہوئے بتایا کہ وہ نشانات جو مختلف کتابوں میں ایک عظیم الشان وجود کے آنے کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ وہ نشانات آج پورے ہو رہے ہیں۔ اور خود تمام لوگ چیخ و پکار کر کے کہہ رہے ہیں۔ کہ جس شخص کے آنے کا وعدہ ہے۔ اس کے آنے کا یہی زمانہ ہے۔ آپ نے مودہا کے لوگوں کو خوشخبری دی۔ کہ وہ شخص جس کا ذکر جملہ مذاہب کی کتابوں میں ہے۔ وہ دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے۔ اور آخر میں تمام ہندو اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ ٹھنڈے دل سے حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعویٰ پر غور کریں۔ آپ کی تقریر ختم ہونے پر ہندو لوگوں نے آپ کو دھنیہ باد دیا۔ آخر میں صاحب صدر نے اس جلسہ کے قیام پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آج دنیا خدا تعالیٰ سے بہت دور ہوتی جا رہی ہے۔ اور جو پیغام خدا کی بھگتی کا میں نے آج اس جلسہ میں سنا۔ میری طبیعت کو اس سے تسکین ہوئی۔ میں ہر شخص سے کہونگا۔ کہ دنیا کے دھندوں کے ساتھ ساتھ وہ ایشور کی بھگتی کی طرف بھی توجہ کریں۔

اس جلسہ میں آلہ نشر الصوت کا انتظام تھا۔ اور منادی بھی آلہ نشر الصوت کے ساتھ تمام قصبہ میں کی گئی۔ مگر غیر احمدی لوگوں نے مسلمانوں کو خصوصیت سے اس جلسہ میں شامل ہونے سے روک دیا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ یہ جلسہ کامیاب ہوا۔

خاکسار محمد شفیع احمدی پریذیڈنٹ جماعت
احمدیہ مودہا۔ ضلع ہمیرپور۔ (یوپی)

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں
تاکہ کارروائی کرنے میں آسانی رہے۔ مینیجر

درخواست دعا

خاکسار کا لڑکا عزیزم سید امین احمد تقریباً ایک مہینہ سے سخت بیمار ہے۔ ڈاکٹروں کی تشخیص ہے۔ کہ گٹھیا کی بیماری ہے بچے کی عمر صرف پانچ سال ہے۔ نقاہت بہت زیادہ ہے تمام احباب کرام سے عموماً اور محترم بزرگان سے خصوصاً التماس ہے۔ کہ وہ بچے کی صحت کاملہ عاجلہ کے لئے دردِ دل سے دعا فرماویں۔ خاکسار سید ہمام اللطیف احمد احمدی کو سمبی

درخواست دعا

میرے بھائی محمد اسمٰعیل صاحب سیٹھ احمد آباد اسٹیٹ سندھ میں بعارضہ بخار بیمار ہیں۔ احباب سے ان کی صحت یابی کے لئے درخواست دعا ہے۔
(محمد ابراہیم کارکن بدر)

ہمارے معاونین

خدا تعالیٰ کا یہ فضل اور احسان ہے۔ کہ مخلصین جماعت اخبار بدر کی توسیع اشاعت کے لئے دست تعاون بڑھا کر اپنی ذمہ داری کا احساس فرما رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل دوستوں نے اخبار بدر کے تازہ خریدار مہیا کئے ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

۱۔ مکرم رشید احمد صاحب محمود کلکتہ نے مختلف لائبریریوں میں بھجوانے کے لئے ۲ علاوہ خاص نمبر پرچہ جات کی قیمت ادا فرمائی ہے۔

۲۔ مکرم غلام محمد صاحب سیکرٹری مال بارڈی پورہ کشمیر نے دو خریدار مہیا کئے ہیں۔

۳۔ مکرم رفیق احمد صاحب فلیکس شوز ایجنٹ دارجلنگ نے دو خریدار مہیا فرمائے ہیں۔

۴۔ مکرم ڈاکٹر عبد المجید خان صاحب ریاست قلات بلوچستان نے ایک خریدار مہیا فرمایا ہے۔

۵۔ مکرم مرزا ظہیر الدین منور احمد انسپکٹر بیت المال نے دو خریدار مہیا فرمائے ہیں۔

۶۔ مکرم احمد حسین صاحب سعید وکیل شورا پور نے تین اخبار کی سالانہ قیمت ادا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔
(مینیجر)

درخواست ہائے دعا

۱۔ میرے لڑکے عزیز مبارک احمد صاحب اور پوتے عزیز میاں مبشر احمد صاحب نے الیف۔ اے کا امتحان دیا ہے۔ احباب کرام سے ان کی کامیابی کیلئے درخواست دعا ہے۔ نیز میرے بچوں کے کاروبار اور ترقی کے لئے خاص طور پر دعا فرمائیں۔ حاجی محمد دین درویش قادیان۔

۲۔ خاکسار کے عزیز عبد الوہاب صاحب اور چار بھانجوں نے مختلف امتحان دئے ہوئے ہیں۔ احباب کرام ان کی اعلیٰ درجہ کی کامیابی کے لئے دعا فرماتے رہیں۔ ممنون ہونگا۔ خاکسار فضل الرحمٰن حکیم سابق مبلغ مغربی افریقہ۔ ربوہ۔